میراں جی شمس العشاقؒ

محمد ہاشم علی

ناشر

شالیمار پبلیکیشنز

بہ اہتمام : محمود خاور

سرورق : قیصر سرمست

کتابت : محمد ولی الدین

سنہ اشاعت : مئی ۱۹۷۴ء

مطبع : نیشنل فائن پرنٹنگ پریس، حیدرآباد ۲

سلسلۂ مطبوعات نمبر ۱۵

قیمت : آٹھ روپئے

ناشر

شالیمار پبلیکیشنز، نیا ملک پیٹ، حیدرآباد ۵۰۰۰۳۶

ملنے کے پتے

شالیمار پبلیکیشنز۔ نیا ملک پیٹ، حیدرآباد ۵۰۰۰۳۶

"برگِ آوارہ" ہفتہ وار۔ ترپ بازار۔ حیدرآباد ۵۰۰۰۰۱

ادبی ٹرسٹ بکڈپو۔ کنارا بنک۔ عابد روڈ۔ حیدرآباد ۵۰۰۰۰۱

محمد ہاشم علی L-18، متاگنگوتری، میسور (کرناٹک)

پنجابی پستک بھنڈار، آصف علی روڈ، نئی دہلی ۔ ۱

مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، علی گڈھ، دہلی، بمبئی ۳

فہرستِ عنوانات

حرفے چند

مجھے بڑی خوشی ہے کہ شالیمار پبلیکیشنز کی جانب سے پہلی بار دکھنیات پر تحقیق کتاب "میراں جی شمس العشاق" پیش کی جارہی ہے جسے میری خواہش اور اصرار پر جناب محمد ہاشم علی صاحب نے بڑی محنت سے مکمل کیا ہے۔ موصوف کی پہلی تصنیف "مغز مرغوب اور چہار شہادت" ۱۹۶۶ء میں شائع ہوئی تھی جسے ملک کے تقریباً سبھی علمی و ادبی حلقوں میں سراہا گیا اور جس کا بیّن ثبوت "ہماری زبان" "صدقِ جدید" "بلٹز" اور "کتاب نما" وغیرہ میں شائع شدہ تبصرے ہیں، جس طرح مولوی عبدالحق نے "گلشنِ عشق" مرتب کرنے کے بعد نصرتی پر ایک مستقل کتاب بھی لکھی تھی اسی طرح مجھے خیال ہوا کہ کیوں نہ "میراں جی شمس العشاق" پر بھی ایک مکمل، عمدہ، بسیط اور معلومات آفریں کتاب لکھوائی جائے۔ اور چونکہ ہاشم علی صاحب نے "مغز مرغوب اور چہار شہادت" کو حد درجہ محنت سے مرتب کیا تھا اور جس کے تعلق سے پروفیسر عبدالقادر سروری مرحوم نے کہا تھا کہ "اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی اس کا عالمانہ مقدمہ ہے جس سے میراں جی شمس العشاق کی حیات کے ہر جہت پر روشنی پڑتی ہے۔" دکنی ادب پر مستقل نوعیت کا کام بہت کم ہوا ہے اور کتابیں تو نہایت ہی قلیل تعداد میں چھپی ہیں۔ اس لئے میری خواہش پر ہاشم علی صاحب نے کتاب مذکور اور اس کے مقدمہ میں کئی جگہ مناسب، ضروری اور اہم ترمیم اور اضافے کئے اور یوں "میراں جی شمس العشاق" آپ کے ہاتھوں تک پہنچ گئی ہے۔

مخفی مبادکہ جناب ہاشم علی میسور یونیورسٹی کے شعبۂ اُردو سے منسلک ہیں اور دکھنیات پر محققانہ نظر رکھتے ہیں۔ ان کی یہ بصیرت و بصارت دکھنی تحقیق کی روشن منزلوں کو یقیناً طے کرے گی۔ مجھے یقین ہے کہ ادارہ کی دیگر مطبوعات کی طرح زیرِ نظر تصنیف بھی ہاتھوں ہاتھ لیجائیگی اور قبولیتِ عامہ حاصل کرے گی۔

محمود خاور (پروپرائٹر شالیمار پبلیکیشنز)

والد مرحوم کے نام

حرفِ اوّل

۱۹۶۶ء میں جب میں نے میراں جی شمس العشاق کی دو مثنویوں "مغز مرغوب و چہار شہادت" کو مرتب کرکے اپنے مقدمہ کے ساتھ حیدرآباد اُردو اکیڈیمی کے زیر اہتمام شائع کیا تو علمی، ادبی اور تحقیقی حلقوں میں اس کو کافی سراہا گیا جس کا اندازہ ان مختلف تبصروں سے ہوتا ہے جو بیشتر معیاری رسائل میں شائع ہوئے۔ "مغز مرغوب و چہار شہادت" کی تعدادِ اشاعت چونکہ صرف پانچسو تھی اس لئے اس کے ختم ہوتے ہی مختلف حلقوں سے دوسرے ایڈیشن کے شائع کئے جانے کے تقاضے ہونے لگے لیکن بعض ساتھیوں کا یہ مستقل اصرار تھا کہ میں میراں جی شمس العشاق پر ایک مستقل کتاب لکھوں۔ چنانچہ ان کی فرمائش کی تکمیل کرتے ہوئے میراں جی شمس العشاق سے متعلق جن باتوں کو "مغز مرغوب و چہار شہادت" کے مقدمہ میں پیش کیا گیا تھا تحقیق کی روشنی میں میں نے اس میں مزید اضافہ کیا ہے۔ اور اس وقت تک شاہ میراں جی شمس العشاق سے متعلق جس قدر مطبوعہ و غیر مطبوعہ

مواد مل سکتا تھا میں نے اس کے حصول کی ایماندارانہ کوشش کی ہے اور ان تمام کو یکجا کرکے اپنی اس تصنیف "میراں جی شمس العشاق" میں پیش کیا ہے۔

میں اپنے عزیز دوست جناب محمود خاور ایڈیٹر "برگِ آوارہ" و پروپرائٹر شالیمار پبلیکیشنز کا شکر گذار ہوں جنھوں نے نہ صرف میری تصنیف کو زیورِ طبع سے آراستہ کرنے میں پوری دلچسپی لی بلکہ میری تالیف "مغز مرغوب و چہار شہادت" کے دوسرے ایڈیشن کی طباعت کی ذمہ داری بھی قبول فرمائی ہے۔

زیر نظر کتاب کے مواد کی فراہمی کے سلسلہ میں، میرے کرم فرما مولوی احمد خاں صاحب درویش نے میری جو مدد فرمائی ہے اس کے لئے میں صاحبِ موصوف کا تہہ دل سے شکر گذار ہوں۔ ناانصافی ہوگی اگر میں سجادہ نشین صاحب درگاہ حضرت امین الدین علی اعلیٰؒ بیجاپور، سجادہ نشین صاحب درگاہ حضرت ہاشم پیرؒ بیجاپور، جناب مرتضیٰ قادری صاحب گپی محل بیجاپور اور جناب سید فرید الدین احمد صاحب قادری لنگر حوض حیدرآباد کی خدمات میں ہدیۂ تشکر پیش نہ کروں جنھوں نے مجھے اپنے گراں قدر مخطوطات کے مطالعہ کا موقع دیا اور نقولات کے حصول کی سہولتیں بہم پہنچائیں۔

محمد ہاشم علی

شاہ میراں جی شمس العشاق نہ صرف اپنے زمانے کے شیخ کامل اور ولی واصل تھے بلکہ سلوک و طریقت کے میدان میں بھی عہد آفریں شخصیت کے مالک تھے۔ وہ صاحب تصنیف صوفیائے چشت اہل بہشت کی آبرو اور بوستانِ بندہ نواز گیسو دراز شہباز بلند پرواز کے گلِ سرسبد تھے۔ جنوبی ہند میں حضرت بندہ نواز کے بعد صوفیائے چشت کا فیض خود ان کی ذاتِ بابرکات کے علاوہ ان کے فرزند برہان الدین جانمؒ اور ان کے پوترے امین الدین اعلیٰ کے دم سے جاری تھا۔ ان ہی کے توسط سے حضرت گیسو دراز کا فیضان آندھرا، کرناٹک اور ٹامل ناڈو میں ایسا عام ہوا کہ دکن کے اس سارے علاقے میں اسرار و معارف کا طوطی بولنے لگا اور سچ تو یہ ہے کہ میراں جی شمس العشاق سرزمین دکن کی چند اُن گنی چنی ہستیوں میں سے ہیں جن کے فیضِ نظر کے طفیل نہ صرف اس دیس میں نور کی ندیاں رواں ہوئیں بلکہ جنھوں نے (بقول ڈاکٹر مسعود حسین خاں) ابلاغ و ترسیل کے ایک نئے وسیلہ یعنی "قدیم اُردو" کی داغ بیل ڈالی۔

نام

تذکروں اور شجروں میں ان کا نام میراں جی، میراں خاں، شمس الدین اور امیرالدین بتایا گیا ہے۔ مجمع الانساب[1] میں ان کا نام میراں خاں عُرف میراں جی لکھا گیا ہے۔

---

[1] مجمع الانساب: مخطوطہ کتب خانہ گچی محل، بیجاپور۔

ڈاکٹر حسینی شاہد کا کہنا ہے کہ انوار اللہ کی انوار الاخیار کا ایک مخطوطہ ان کے ذاتی کتب خانے میں ہے جس میں شمس الدین نام بتایا گیا ہے۔ ڈاکٹر شاہد کا بیان ہے کہ:

"اس کی توثیق سید محمد قادری کے مرتبہ خلفائی شجرے اور سید حسن صاحب قادری سجادہ اللہ کے مملوکہ شاخ شجروں سے ہوتی ہے اور اس قیاس کے لئے گنجائش نکل آتی ہے کہ نام کی رعایت سے ان کا لقب شمس العشاق مشہور ہوا اور اتنا مشہور ہوا کہ اصل نام کو لوگ بھلا بیٹھے۔"[1]

خود نوشت "نسل نامہ"[2] میں "اسما امیرالدین نہادند المعروف بہ میراں جی" لکھا ہوا ہے۔ مسافر نامی ایک دکنی شاعر کے "شجرۂ منظوم"[3] سے امیرالدین میراں جی کی توثیق ہوتی ہے۔ شجرۂ منظوم کا متعلقہ شعر درج ذیل ہے:

امیرالدین میراں جی شمس العشاق — برہان الدین پھر دو حق کا مشتاق

تذکرۃ الاولیائے دکن[4]، برکات الاولیاء[5]، روضۃ الاولیاء بیجاپور[6]، مشکوٰۃ النبوۃ[7]، تذکرۃ القادری[8]، سلسلۂ آصفیہ[9]، حدیقۂ رحمانی[10] اور تذکرۃ الانساب[11] میں ان کا نام میراں جی اور لقب شمس العشاق بتلایا گیا ہے۔ حضرت محمود خوشدہان نے "معرفت السلوک"[12] میں شاہ میراں جی کا لقب ایک جگہ شمس العشاق اور ایک جگہ شمس العاشقین لکھا ہے۔

---

[1] نوائے ادب جولائی ۱۹۵۱ء۔ [2] خود نوشت نسل نامہ۔ میراں جی شمس العشاق، مخطوطہ ۸۶۳ ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد۔ [3] شجرۂ منظوم کے اختتام پر شاعر نے اپنا تخلص بھی استعمال کیا ہے:
"مسافر اب گرو پیوں کا بیان کھول — ہر ایک کی سربسر تفصیل تو کھول" [4] تذکرۃ الاولیاء دکن جلد دوم ص۸۳۵۔ [5] برکات الاولیاء ص۱۱۵ [6] روضۃ الاولیاء بیجاپور ص۱۳۱۔
[7] مشکوٰۃ النبوۃ قلمی کتب خانہ آصفیہ قلمی ص۱۹۳۔ [8] تذکرۃ القادری ص۱۲۶ قلمی کتب خانہ آصفیہ جدید ع۱۰۹۶۔ [9] سلسلۂ آصفیہ جلد ہشتم ص
[10] حدیقۂ رحمانی مؤلفہ عبدالرحمان ثقاف، مخطوطہ سید فریدالدین صاحب قادری
[11] تذکرۃ الانساب ص۷۷
[12] معرفت السلوک، محمود خوشدہان۔ مخطوطہ کتب خانہ درگاہ ہاشم پیرؒ، بیجاپور۔

مقامِ ولادت

میراں جی کی جائے ولادت کے تعلق سے محققین، مورخین اور تذکرہ نگاروں کے بیانات میں کافی تضاد اور اختلاف پایا جاتا ہے۔ ڈاکٹر مولوی عبدالحق نے شاہ میراں جی شمس العشاق کے متعلق کئی مضامین لکھے ہیں لیکن ان کے بیانات مختلف اور متضاد ہیں۔ رسالۂ اُردو اپریل ۱۹۲۷ء میں "قدیم اُردو" کے عنوان سے ڈاکٹر عبدالحق نے جو مقالہ لکھا ہے اس میں صراحتاً تو نہیں البتہ اشارۃً میراں جی کی جائے پیدائش بیجاپور بتائی گئی ہے لیکن "اُردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام" میں ان کی جائے ولادت مکہ قرار دی گئی ہے۔ اور ۲۷ر اکتوبر ۱۹۳۹ء کے رسالۂ اُردو میں ان کو گجرات کا باشندہ بتلایا گیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ اسی بنا پر گجری میں شعر کہتے تھے۔ ڈاکٹر نذیر احمد "علی گڈھ تاریخ ادب اُردو" میں لکھتے ہیں:

"بظاہر اس آخری بیان (ڈاکٹر عبدالحق کا بیان) کی بنیاد اس امر پر ہے کہ اگر وہ اصلاً بیجاپوری ہیں تو پھر ان کے گجری میں شعر کہنے کی توجیہہ بآسانی ممکن نہ تھی۔ گو اس سلسلہ میں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ غالباً انھوں نے گجری میں شعر کہنے کا دعویٰ نہیں کیا۔ دراصل ان کے بیٹے برہان الدین جانم نے گجری زبان کا ذکر کیا ہے۔ پروفیسر شیرانی کا بھی خیال تھا کہ وہ تمام دکنی علماء جو اپنی زبان کو گجری کہتے تھے وہ درحقیقت گجرات کے باشندے یا ان کی اولاد میں تھے۔ جنھوں نے دکن میں بود و باش اختیار کرلی۔ گویا ان کے نزدیک بھی شمس العشاق کا گجرات سے وطنی تعلق تھا۔" [1]

پروفیسر سروری مولوی عبدالحق کے اس بیان سے اتفاق کرتے ہیں جو

---

[1] علی گڈھ تاریخ ادب۔ پہلی جلد صفحہ ۲۰۹۔

"اُردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام" میں ملتا ہے۔[1] ڈاکٹر سید محی الدین قادری زورؔ نے بھی اپنے مقالہ "بہمنی ادب"[2] اپنے مقدمہ ارشاد نامہ اور اپنی معرکۃ الآرا تصنیف "اُردو شہ پارے"[3] میں شاہ میراں جی شمس العشاق کا تفصیلی ذکر کیا ہے لیکن ان کی جائے پیدائش کی توضیح نہیں کی ہے۔ البتہ اُردو شہ پارے میں اس خیال کا اظہار کیا ہے:

"دکنی علماء کی صحبت میں تحصیلِ علم کر کے ملکِ عرب کے سفر پر روانہ ہوئے۔"[3]

اور خود نوشت[4] کا تعارف کرانے کے باوجود دکنی ادب کی تاریخ[5] میں اپنی اسی رائے پر قائم ہیں۔

ڈاکٹر نذیر احمد بھی اسی خیال کے حامی ہیں:

"بہرحال شمس العشاق کے متعلق اتنی بات مسلّم ہے کہ علوم متداولہ کی تکمیل . . . . کے بعد زیارت حرمین کو گئے۔"[6]

حامد حسن قادری نے "داستان تاریخ اُردو" میں لکھا ہے:

"حضرت شاہ میراں جی شمس العشاق مکۂ معظمہ میں پیدا ہوئے۔"[7]

لیکن حامد حسن قادری نے اپنے ماخذ کا حوالہ نہیں دیا ہے۔

خود نوشت نسل نامہ کے الفاظ ہیں "در مکہ تولد شدم"۔

---

[1] پروفیسر عبدالقادر سروری، اُردو مثنوی کا ارتقاء ص ۳۰

[2] بہمنی ادب۔ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور۔ نوائے ادب۔ اکتوبر ۱۹۵۰ء

[3] ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور۔ اُردو شہ پارے۔ ص ۱۵

[4] " " " تذکرہ مخطوطات اُردو جلد چہارم ص ۲۱۶

[5] " " " دکنی ادب کی تاریخ ص ۲۲

[6] علی گڈھ تاریخ ادب اُردو ص ۲۰۹

[7] داستان تاریخ اُردو۔ حامد حسن قادری، دوسرا ایڈیشن ص ۳۴

کتب خانہ گمچی محل بیجاپور کے ایک مخطوطہ "بیاض العملیات" میں میراں جی شمس العشاق کی جائے ولادت دہلی بتائی گئی ہے۔

"حدیقۂ رحمانی" میں عبدالرحمٰن سقاف نے مکاشفہ کے حوالہ سے لکھا ہے:

"جب آپ کو طلبِ حق ہوا تو تمام تعلقات کو چھوڑ کر زیارت حرمین الشریفین کو گئے اور روضۂ رسولِ اکرم صلعم پر چند سے معتکف رہے۔"

مکاشفہ کے حوالے سے یہی بات تذکرۃ القادری اور مشکوٰۃ النبوۃ میں بھی لکھی گئی ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ کی ولادت مکۂ معظمہ میں نہیں ہوئی تھی بلکہ آپ کسی دوسری جگہ پیدا ہوئے تھے۔

برکات الاولیاء میں لکھا ہے:

"آپ مشاہیر مشائخین کرام بیجاپور سے ہیں۔ بارہ برس مکۂ معظمہ میں جا کر رہے۔" [1]

عبدالجبار خاں ملکاپوری نے میراں جی اور میراں جی شمس العشاق کو دو علحدہ شخصیتیں سمجھ کر تذکرہ اولیاء دکن میں میراں جی کا ذکر دو جگہ کیا ہے۔ ایک میراں جی بیجاپوری کے تحت ص ۸۳۵ تا ص ۸۳۷ پر اور دوسرے ص ۱۹۲ پر شاہ میراں جی شمس العشاق کے تحت۔ میراں جی بیجاپوری کے ضمن میں مقامِ ولادت کے تعلق سے صاحب مکاشفہ کا وہی بیان دہرایا ہے جو مشکوٰۃ النبوۃ، روضۃ الاولیاء بیجاپور، تذکرۃ القادری، حدیقۂ رحمانی اور برکات الاولیاء میں ملتا ہے۔ البتہ میراں جی شمس العشاق چشتی کی سرخی کے تحت واضح لفظوں میں لکھا ہے:

"آپ کا مولد و منشاء بیجاپور ہے۔ آپ نشو و نما و شعور کے بعد شہر میں علماء و فضلاء کی خدمت میں علوم ظاہری سے فارغ ہوئے اور دل میں محبت الٰہی کا شوق پیدا ہوا۔ بیجاپور سے حرمین شریفین گئے۔" [2]

---

[1] برکات الاولیاء ص ۱۱۵

[2] عبدالجبار خاں ملکاپوری۔ محبوب ذی المنن ص ۱۹۱

حکیم شمس اللہ قادری نے "اردوئے قدیم" میں میراں جی کے مقامِ پیدائش کا ذکر واضح انداز میں نہیں کیا ہے۔ صرف اس بیان پر اکتفا کیا ہے:

"شاہ میراں جی شمس العشاق بیجاپور کے اولیاء کبار سے ہیں۔" [1]

یہی انداز مولوی نصیر الدین ہاشمی کا ہے۔ "دکن میں اردو" میں وہ لکھتے ہیں:

"بیجاپور کے باہر آپ (میراں جی) نے اقامت اختیار کی تھی۔" [2]

اسی طرح "اردو قلمی کتابوں کی وضاحتی فہرست" میں لکھتے ہیں:

"میراں جی شمس العشاق بیجاپور کے اولیاء اللہ میں شمار ہوتے ہیں۔" [3]

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ تذکرہ نگاروں اور محققین کی اکثریت نے کہیں صراحتاً اور کہیں اشارۃً میراں جی کا مقامِ ولادت بیجاپور بتایا ہے۔

سنہ پیدائش

کسی بھی تذکرہ میں حضرت شاہ میراں جی شمس العشاق کی تاریخِ پیدائش یا سنہ ولادت کا ذکر نہیں ملتا۔ البتہ کتب خانہ درگاہ حضرت امین الدین اعلیٰ بیجاپور کی ایک بیاض میں میراں جی شمس العشاق کا مادۂ ولادت میر میراں قبلہ دیں پناہ (۸۱۰ھ) لکھا گیا ہے اور یہ صحت پر مبنی معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اسی کتب خانہ کی دوسری بیاض میں میراں جی کی وفات پر ان کے فرزند برہان الدین جانم کے لکھے ہوئے مرثیہ کے کچھ شعر درج ہیں جن کے منجملہ ایک شعر حسب ذیل ہے:

اربع تسون یو سال ہے ماہ کوں شوال ہے
رحلت کئے اس حال ہے جیسے کچھ حکم الٰہی کا

مولوی عبدالحق نے اس شعر میں "تسون" کے بجائے "سون" لکھا ہے۔ سون سے یہاں کوئی مفہوم نہیں نکلتا ہے۔ یہ اصل میں "تسعون" بمعنی (۹۰) دکنی صوتیات

---

[1] سید شمس اللہ قادری۔ اردوئے قدیم، ص ۱۰۸

[2] نصیر الدین ہاشمی "دکن میں اردو"

[3] "اردو قلمی کتابوں کی وضاحتی فہرست"

کے لحاظ سے بحذف 'ع' تسون ہے۔ اس طرح "اربع تسون" سے مراد ۹۴ سال ہوتے ہیں یعنی بوقتِ وفات حضرت میراں جی کی عمر ۹۴ سال تھی۔ اور سنہ وفات کی سُرخی کے تحت سنہ وفات ۹۰۴ھ ثابت کیا گیا ہے۔ اس طرح آپ کا سنہ پیدائش ۸۱۰ھ قرار پاتا ہے اور سطورِ بالا میں درج شدہ مادہ ولادت "میر میراں قبلہ دیں پناہ" (۸۱۰ھ) سے بھی اس کی مطابقت ہوتی ہے۔

نسب

حدیقۂ رحمانی، تذکرۃ القادری، تذکرۂ اولیائے دکن، تذکرۃ الانساب اس بات پر متفق ہیں کہ شاہ میراں جی شمس العشّاق صحیح النّسب سید تھے اور ان کا سلسلۂ نسب زید شہید سے ملتا ہے۔ تذکرۃ الانساب میں سلسلۂ نسب اس طرح درج ہے:

"شاہ میراں جی شمس العشّاق بن حاجی شریف دوام الدین بن سید علی بن سیّد محمد بن سید حسین بن سید داؤد بن سید زین بن سید احمد بن سید حمزہ بن سید سیف اللہ بن سید ابوالحسن بن سید اسداللہ بن سید ابوالحسین بن سید عبداللہ المظلوم امام زید شہید"۔ [1]

خود نوشت میں بھی یہی سلسلۂ نسب ہے (البتہ) سید احمد بن سید محمد بن سید حمزہ لکھا ہے۔ اور سید عبداللہ المظلوم بن سید علی بن سید زین العابدین بن امام حسین بن علی ابن ابو طالب کرم اللہ وجہٗ لکھا ہوا ہے۔ [2]

خود نوشت کے خاتمہ پر ایک اور نسل نامہ درج ہے جو سید علی پیر سے شروع ہوتا ہے۔ اس میں حضرت شاہ میراں جی سے قبل حسب ذیل چار نام یہ ہیں:

"حضرت شاہ علی صاحب ابن حضرت بابا شاہ صاحب ابن حضرت شاہ امین الدین

---

[1] سید امام الدین: تذکرۃ الانساب ص ۴۔

[2] میراں جی شمس العشاق؛ خود نوشت نسل نامہ۔ مخطوطہ نمبر ۸۶۲۔ ادارۂ ادبیات اُردو حیدر آباد۔

علی و ابن حضرت شاہ برہان الدین و ابن حضرت شاہ میراں جی"۔ اس کے بعد سلسلہ وہی ہے جو خود نوشت میں ہیں۔

خود نوشت، نسل نامہ سید علی پیر، تذکرۃ الانساب کے علاوہ حدیقۂ رحمانی، تذکرۃ القادری، مجمع العطار، بیاضِ شجرات مشائخ بیجاپور، شجرۂ مخزونہ کتب خانہ درگاہ حضرت امین الدین علی اعلیٰ، شاخ شجرہ مملوکہ مولانا شاہ علاء الدین جنیدی سجادہ نشین روضۂ شیخ سراج الدینؒ گلبرگہ شریف اور نسب نامہ مشمولہ مخطوطہ ۱۹۶، کتب خانہ انجمن ترقی اُردو ہند علی گڑھ، مجمع الانساب[1]، مخزن الانساب[2]، کے شجروں کا اختلاف درج ذیل ہے:

۱۔ تذکرۃ القادری میں حاجی شریف دوام الدین کا نام خواجہ شریف دوام الدین، مجمع العطار میں خواجہ سید حاجی شریف دوام الدین، مولانا علاء الدین جنیدی کے مملوکہ شاخ شجرے میں حاجی شریف، اور انجمن ترقی اُردو کے نسخہ میں سید دوام الدین حاجی شریف ہے۔

۲۔ خود نوشت، نسل نامہ علی پیر، مجمع الانساب سادات سکنہ بیجاپور میں زید شہید کا نام سید عبداللہ مظلوم، بیاضِ شجرات مشائخین بیجاپور میں سید امام عبداللہ مظلوم شہید، شجرۂ مخزونہ درگاہ حضرت امین الدین اعلیٰ میں سید عبداللہ مظلومی، تذکرۃ القادری میں سید زید مظلوم، مجمع العطار میں سید زید علی مظلوم حسینی، شجرہ انجمن میں زید مظلوم، مولانا علاء الدین جنیدی کے مملوکہ شاخ شجرے میں سید مظلوم عبداللہ، حدیقۂ رحمانی میں ایک جگہ سید عبداللہ سید مظلوم شہید اور دوسری جگہ سید عبداللہ زید مظلوم اور تذکرۃ الانساب میں سید عبداللہ المظلوم امام زید شہید ہے۔

۳۔ مجمع العطار میں سید محمد (۳) سے زید مظلوم (۱۴) تک ہر نام کے ساتھ خواجہ کا اضافہ ہے۔

---

[1] مجمع الانساب۔ گچی محل بیجاپور   [2] مخزن الانساب۔ گچی محل بیجاپور

۴ . بیاضِ مشائخین بیجاپور میں سید علی (۱۲) سے سید ابوالحسن (۱۳) تک حسینی کا اضافہ ہے۔

۵ . مولانا علاء الدین جنیدی کے ملوکہ شاخ شجرہ میں سید حسین (۴) اور سید داؤد (۵) کے نام نہیں ہیں . اور سید محمد (۸) کے بعد سید حسن کا نام زائد ہے . نیز سید حمزہ (۹) کا نام نہیں ہے . اور سید ابوالحسین (۱۳) کے بجائے سید ابوالحسن لکھا ہے .

۶ . تذکرۃ القادری میں سید ابوالحسین (۱۳) کے بعد سید ابا عبداللہ بن سید مظلوم بن حضرت امام زین العابدین بن حضرت امام حسین علیہ السلام ہے . اس کے علاوہ اس تذکرہ میں سید محمد (۸) کے بجائے سید رحمان اور سیف اللہ (۱۰) کا نام سید سیف الدین اور سید زین (۶) کا نام سید زین الدین ہے .

۷ . تذکرۃ الانساب، مجمع الانساب، حدیقۂ رحمانی، بیاضِ شجرات مشائخین بیجاپور شجرہ کتب خانہ درگاہ حضرت امینؒ، مجمع العطار، اور مجمع الانساب میں سید محمد (۸) کا نام نہیں ہے .

غرض تذکروں اور خاندانی شجروں میں نسب نامہ جس طرح دیا گیا ہے اس سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ شاہ میراں جی شمس العشاقؒ صحیح النسب سیّد تھے اور ان کا نسب زید شہید سے ملتا ہے .

کتب خانہ درگاہ امین الدین اعلیٰ کے قدیم شجروں میں ایک شجرہ ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ میراں جی شمس العشاق کے ایک بھائی بھی تھے جن کا نام صدرالدین تھا اور ان کے ایک فرزند قطبی شاہ تھے اور قطبی شاہ کے ایک لڑکے کا نام بُرہان شاہ تھا. بُرہان شاہ کے لڑکے کا نام نبی بادشاہ تھا اور نبی بادشاہ کے فرزند کا نام سید شاہ امین حسینی تھا. نقلِ شجرہ درجِ ذیل ہے :

سیّد شاہ امین حسینی بن نبی بادشاہ بن برہان شاہ بن قطبی شاہ بن سید شاہ صدرالدین بن حاجی شریف دوام الدین بن سید علی بن سید محمد بن سید حسین بن سید داؤد بن زین الدین بن سید احمد بن سید حمزہ بن سیف اللہ بن سید ابوالحسن بن اسد اللہ بن ابوالحسین بن سید عبداللہ بن سید عبداللہ بن سید امام مظلوم بن سید علی بن امام زین العابدین بن سید امام حسین بن سید علی مرتضیٰ بن

ابوطالب کرم اللہ وجہہٗ .

تذکرۃ الانساب اور مجمع الانساب میں امین الدین اعلیٰ کی سیادت پر بحث کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ میراں جی کے والد کا نام حاجی شریف دوام الدین نہیں بلکہ حاجی دولت مکّیؒ تھا . اور وہ سید نہیں مغل تھے . . . . تذکرۃ الانساب کی متعلقہ عبارت درجِ ذیل ہے :

" بداں کہ از ثقات ثبوت پیوستہ کہ شاہ امین الدین بیجاپوری قدس سرہٗ از قدیم الایام در اہلِ بیجاپور از قوم مغل مشہور و معروف ہستند ، واللہ اعلم بحقیقۃ الحال . ثانیاً آں کہ حاجی دولت مکّی کہ جد حقیقی شاہ برہان الدین جانم والا شاہ امین الدین صاحب موصوف است اولادِ ایشاں در نسبِ خویش لفظ حاجی دولت مکّی را مستبدل بہ حاجی دوام الدین ساختہ . نسب دروغ سیادت خود بہ سید عبداللہ مظلوم کہ فرزند سید علی اصغر ابن امام زین العابدین اند ، رسانیدہ خود را از ساداتِ حسینی اشتہار دادہ اند و حقیقت حاجی دولت مکّی بدیں منوال است کہ حاجی دولت مکّی را چہار فرزند بودند . یکی ہیبت خاں دوم مراتب خاں ، سوم تیغ جنگ خاں ، چہارم میراں خاں المعروف بہ میراں جی صاحب ".[1]

اس کے بعد صاحب تذکرۃ الانساب لکھتا ہے :

" مشائخین اسلاف در بلدۂ بیجاپور شک در بعض بعض نسب ہائے سیادت داشتہ اند و چنانکہ سیادت شاہ امین الدین صاحب داشتہ اند ".[2]

صاحب مجمع الانساب نے لکھا ہے :

" از قدیم الایام در اہلِ بیجاپور مشہور است کہ شاہ امین الدین صاحب

---

[1] سید امام الدین : تذکرۃ الانساب

[2] " " " "

از زمرۂ قوم مغل اند ۔ واللہ اعلم بحقیقتِ الحال ۔[۱]

اس کے بعد سید محی الدین قادری نے لکھا ہے :

"حاجی دولت مکی کہ اسم ایشاں در نسب نامہ حاجی دوام الدین نوشتہ اند را چہار فرزند بودند ۔ یکی ہیبت خاں، دویم مراتب خاں، سیوم تیغ جنگ خاں، چہارم میراں خان عرف شاہ میراں جی ۔"[۲]

مجمع الانساب اور تذکرۃ الانساب کے مؤلفین متفق ہیں کہ میراں جی شمس العشاق کے والد مکی تھے ۔ اگر وہ مکی تھے تو ظاہر ہے کہ انھیں مغل نہیں قرار دیا جا سکتا ۔

متذکرہ بالا تذکروں نے میراں جی کے بھائیوں کے نام ہیبت خاں، مراتب خاں اور تیغ جنگ خاں بتائے ہیں ۔ لیکن درگاہِ حضرت امین الدین اعلیٰ کے کتب خانہ میں ایک قلمی خلفائی شجرہ ہے جس میں ہیبت خاں اور تیغ خاں کو حضرت میراں جی شمس العشاق کا خلیفہ بتایا گیا ہے ۔ اس شجرہ کی قدامت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس میں حضرت برہان الدین جانم اور ان کے خلیفہ شیخ محمود عین الحق کے خلفاء کا ذکر ہے اور اس میں امین الدین اعلیٰ کا ذکر موجود نہیں ہے ۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ یہ امین الدین اعلیٰ کے مسندِ رشد و ہدایت پر آنے سے پہلے تیار ہوا ہے ۔ اس کے علاوہ امین الدین علی ثانی نے مخزن الامین[۳] میں سید محمد بخاری[۴] اور امین الدین علی اعلیٰ کے درمیان تکرارِ سجدہ کا ذکر کرتے ہوئے امین الدین اعلیٰ کے مریدوں میں میراں جی، میٹھے خاں، مراتب خاں اور دولت خاں بن میٹھے خاں کا بھی ذکر کیا ہے، جس سے شبہ ہوتا ہے کہ مجمع الانساب اور تذکرۃ الانساب نے کہیں غلط فہمی کی وجہ سے میراں جی اور امین الدین علی اعلیٰ کے خلفاء اور مریدوں کو بھائی اور عزیز خیال نہ کر لیا ہو ۔

---

[۱] سید محی الدین قادری : مجمع الانساب مخطوط ۔ کتب خانہ گچی محل بیجاپور ۔

[۲] ” ” ” ” ” ” ” ”

[۳] سید امین الدین علی ثانی ۔ مخزن الامین ۔ مخطوط نمبر ۲۲۷ ۔ اسٹیٹ سنٹرل لائبریری ۔ حیدرآباد ۔

[۴] بیجاپور کے مشہور مشائخ میں سے تھے ۔ شرع کا بڑا پاس رکھتے تھے ۔ ۱۰۹۰ھ میں انتقال کیا ۔

ڈاکٹر حسینی شاہد کے قول کے مطابق "یہ بھی ممکن ہے کہ سیادت کا شاخسانہ مخاصمت کی بنا پر بعض تنگ نظر مشائخ نے کھڑا کیا ہو ۔ اس لئے کہ بیجاپور میں طریقِ قادریہ عالیہ کا بول بالا تھا ۔ لیکن میراں جی شمس العشاق اور شاہ برہان الدین خانم کی تند آور شخصیتوں کی وجہ سے طریقِ چشتیہ کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی اور شاہ امین الدین علی اعلیٰ کے عہد میں یہ مقبولیت انتہائے عروج کو پہنچ گئی ۔ صاحب انوار الاخیار نے شاہ امین الدین علی اعلیٰ کے مریدوں کی تعداد ایک لاکھ بتائی ہے ۔ جس سے ان کے حلقۂ اثر کی وسعت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے ۔ انھوں نے سلوک کا جو نیا نظام پیش کیا تھا وہ عوام اور خواص دونوں کے دلوں میں گھر کر گیا تھا ۔ اور طریقِ قادریہ کے پیرو بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہے تھے ۔ یہ صورتِ حال بعض متاخرین مشائخ قادریہ کے لئے ناقابلِ برداشت تھی اس لئے وہ حضرت امین کو متہم کرنے اور ان کی تعلیمات کو غیر اسلامی قرار دینے لگے تھے تاکہ ان کا کھویا ہوا خاندانی وقار بحال ہو سکے ۔"[۱] اس ذہنی کرب کا اندازہ سید شاہ کریم اللہ قادری (سالگندہ) کے ایک خط کے اس اقتباس سے لگایا جا سکتا ہے جو انھوں نے سید عبدالرزاق قادری کے نام لکھا تھا جس کا اقتباس درج ذیل ہے :

"ہمہ سکان و قطان بیجاپور بر فضیلت خواجہ امین الدینؒ متفق بلکہ ہمہ اہل دکن قاطبتاً ۔ ۔ ۔ ۔ بر بزرگی او شان مقر و معترف تا بہ حدی کہ بعض جہال مشائخ قادریہ از متاخرین مقلد او شان شدہ قائل عناصر خمسہ گشتند ۔"[۲]

ان ہی سید شاہ کریم اللہ قادری کے مرید سید شاہ محمد صادق قادری نے اپنی ایک مثنوی میں نہ صرف حضرت امین کی ہجو کی ہے بلکہ ان کی تعلیمات کا مذاق بھی اڑایا ہے ۔ اس مثنوی کے کچھ شعر درج ذیل ہیں :

---

[۱] ڈاکٹر حسینی شاہد : نوائے ادب جولائی ۱۹۷۱ء ۔ ص ۸ و ۹ ۔

[۲] سید شاہ کریم اللہ قادری : مکتوب بنام سید عبدالرزاق قادری، کتب خانہ گچی محل بیجاپور ۔

.. کہے ملحداں فریق امین | کہ اس حق کو واجب وہ سارے کمین
نہ واجب کے معنی کی اُن کو خبر | نہ ممکن کے معنی کو بوجھے وہ خر
کہے پانچ عناصر دو پچیس گن | نہ منظور عارف کہنے یہ سخن
نہیں پانچ عناصر دو ہیں پانچ بھوت | کہے جن سینے جا کر کہے وہ ثبوت
انتہا مرد مجذوب مطلق امین | نہ مجذوب سے پائے کوئی راہ دیں[۱]

مشربی کی اس دریدہ دہنی کو ان کے پیر سید شاہ کریم اللہ قادری نے " رد بلیغ " سے تعبیر کر کے اپنی مہر توثیق لگا دی ہے جس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ بعض مشائخ قادریہ حضرت امین اور ان کی تعلیمات کی مخالفت میں ذہنی گراوٹ کی کس سطح تک پہنچ گئے تھے۔ اس لئے اگر ان ہی گوشوں سے سیادت کا شاخسانہ کھڑا کیا گیا ہو تو تعجب نہیں ہونا چاہئے۔

خود نوشت نسل نامہ کے بموجب خود میراں جی کا بیان ہے کہ ان کی ماں قوم چغطیہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ میراں جی نے اپنی ایک مثنوی خوش نامہ میں ایک نوجوان بھولی بھالی لڑکی خوش یا خوشنودی کا قصہ بیان کیا ہے جو اپنی ہم عمر لڑکیوں کے برخلاف خدا کی لگن میں لگی ہوئی تھی اور اسی رنگ میں رنگی ہوئی تھی۔ اسے اپنے پیر سے بے پناہ عقیدت و محبت تھی اس لئے کہ وہ ان ہی کی ذات کو وسیلۂ نجات جانتی تھی۔ میراں جی اس کی عمر سترہ سال ایک ماہ پانچ دن اور جائے وفات شاہ پور بتاتے ہیں[۲]۔ میراں جی نے اس لڑکی کا بڑے پیار سے ذکر کیا ہے۔ اس بیان میں خود ان کے دل کی دھڑکنیں صاف سُنائی دیتی ہیں اور ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ خوش صرف ان کی محبوب مرید ہی نہیں ' بلکہ رشتہ دار بھی تھیں۔ چنانچہ اسی قسم کے خیال کا اظہار بابائے اُردو نے بھی کیا ہے :

" اس نظم کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خوش یا خوشنودی یا تو ایک فرضی

---

۱ محمد صادق قادری مشربی۔ مثنوی ' مخطوطہ کتب خانہ گنجی محل ' بیجا پور۔
۲ برس پانچ اور بارہ کی ایک ماس نو دین | اس کی عمر یکھتیں سب لیکھا ہوا اس کہیں
تھان کیا شاہ پور ماہیں وہ تو پیا را تمام | پیروں کیرا قول ہوا کہ تجھ سوں ہیں تمام
(خوش نامہ)

لڑکی ہے یا حضرت کی کوئی عزیز یا بیٹی ہے "۔[۱]

" خوش نامہ " میں ایک شعر ہے ؎

ذات ماں کی چغطا جانو باب ترک افشاق
خوشی کی ذات علوی جانو جس تھے نام رزاق

اس شعر کی وضاحت کرتے ہوئے مولوی اکبر الدین صدیقی نے لکھا ہے :

" لفظ ' ماں ' ہو ماں ہے یعنی میری ماں۔ باب سے مراد ہے باپ یعنی نانا جو ترک کے قبیلہ افشاق سے تھے اور خوشی جن کا نام رزاق تھا وہ علوی تھیں اس لئے کہ وہ میراں جی کی صاحبزادی تھیں۔ اس کا اشارہ آگے ایک شعر میں ملتا ہے :

کہیں بیٹا اے شوخ دیدہ سن جے نیکی پندہ
بھوک بلاس کر سو کھو لیں چھوڑیں لیوے پھندہ

اس طرح حضرت میراں جی نے اپنی والدہ کے ترک نژاد ہونے اور اپنے علوی ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ' خوش نغز ' میں بھی وہ خوشی یا خوش ہی سے مخاطب ہیں۔ ترکی میں ایک قبیلہ افشار تو ہے۔ ممکن ہے کہ یہی اُس دور میں افشاق کہلاتا ہو یا حضرت میراں جی نے اس کو رزاق کا ہم قافیہ کر لیا ہو "۔[۲]

لیکن ڈاکٹر حسینی شاہد کا بیان ہے کہ " یہ حضرت کی بیٹی نہیں سالی تھیں۔ اور حضرت کی گنبد ہی میں دفن ہیں "۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں حسینی شاہد لکھتے ہیں :

" راقم الحروف کو درگاہ شریف کے کتب خانہ سے ایک پرانے کاغذ کا پرزہ دستیاب ہوا ہے۔ یہ کاغذ اگر پورا دستیاب ہوتا تو حضرت کے خاندان کے بارے میں کچھ نئی معلومات حاصل ہوتیں ' اس لئے کہ اس پر احاطۂ درگاہ کی قبروں کی تفصیل درج تھی۔ تاہم جو پرزہ راقم الحروف کو ملا ہے اس سے یہ معلوم ہو سکا کہ آپ کے گنبد میں کون کون دفن ہیں :

---

۱ مولوی عبدالحق۔ شاہ میراں جی شمس العشاق۔ اُردو۔ اپریل ۱۹۲۸ء۔
۲ محمد اکبر الدین صدیقی۔ ارشاد نامہ من تصنیف جانم۔ ص ۱۲

یادداشت قبورہائے اندرون درگاہ شریف در گنبدِ خورد تربت میراں جی شمس العشاق

اہلیہ ایشاں رابعہ ماں صاحبہ اندرون گنبدِ موصوف ونیز تربت ہمشیرہ ماں صاحبہ موصوف اند۔ اسم ایشاں خوش بی ماں صاحبہ است۔

برہان الدین جانم قطب الاقطاب اہلیہ ایشاں اسم شریف ولی بی ماں صاحبہ بیرون گنبد شریف زیر گنبد چوکھنڈی است۔

یہی خوش بی ماں صاحبہ ہیں جن کا ذکر بڑے ماں کے نام سے میراں جی نے خوش نامہ میں کیا ہے:

لاڑوں لاڑ چاؤں چاؤ سب گوتوں کی پیاری
ست سنبھالے عین جھوائے محبت کی ہماری

اور ان سب کا نسب اس طرح بیان کیا ہے:

ذات مہان کی چغطا جانو باپ ترک افشاق
خوش کی ذات علوی جانوں جس تھے نام رزاق

خوش بی ماں صاحبہ کے ماں باپ میراں جی کے ساس اور سسرے ہوئے۔ اس طرح یہ ثابت ہوتا ہے کہ میراں جی کی ننھیال کی طرح سسرال بھی قوم چغطیہ سے تعلق رکھتی تھی بہت ممکن ہے انھوں نے اپنی ننھیال ہی میں شادی کی ہو۔[1]

مجمع الانساب اور تذکرۃ الانساب دونوں میراں جی کے والد کو مکّی لکھتے ہیں۔ اور نسب نامے اور شجرے متفق ہیں کہ وہ زید مظلوم کی اولاد سے تھے۔ اس لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ میراں جی شمس العشاق ددھیال کی طرف سے مکّی اور سیّد تھے لیکن ان کی ننھیال اور سسرال مغل تھے۔

زیارت حرمین شریف

کم و بیش تمام تذکروں میں لکھا ہے کہ آپ ابتدائے شباب ہی دنیوی تعلقات

---

[1] حسینی شاہد۔ میراں جی شمس العشاق۔ نوائے ادب جولائی ۱۹۶۷ء ص ۲۰

کو ترک کرکے حرمین شریفین کی زیارت کو روانہ ہوئے اور خاص مدینہ منورہ میں بارہ برس تک قیام کیا۔ اور ہر سال حج سے مشرف ہوئے۔ وہاں آپ حرم نبوی صلعم کے قیام کے اس تمام عرصے میں ایک پہلو پر سوتے تھے اور سو رادبی کے خوف سے کبھی اس کی طرف پشت ہونے نہیں دی۔ چنانچہ معظّم نے شجرۃ الاتقیا میں اس واقعہ کا ذکر اس طرح کیا ہے:۔

سُنا ہوں روایت مجھے یاد ہے
اسی بات سوں دل مرا شاد ہے
کتے ایک حاجی مدینہ بھیتر
سوتے تھے اور سر رکھ کے پیڑی اُوپر[1]

اور آنحضرت صلعم ہی کے حکم پر راہی دکن ہوئے۔ چنانچہ بابا شاہ حسینیؒ وصف حضرت شاہ میراں جیؒ میں لکھتے ہیں:

شاہ را چوں بعد تنقیٰ ایں سخن
مرتضیٰ فرمود کای شاہِ دکن
در دکن بیجاست نامش شاہ پور
در علو عالی نماید بہ ظہور
حال بر دکن بہرِ خود آں را مکان
تا ز فیضت عالمی یابد اماں[2]

شجرۃ الاتقیا میں معظّم نے بیجاپور کا لفظ استعمال کیا ہے۔ چنانچہ کہتا ہے:

"نبی نے کہے اب تو پایا شرف
دیے جاتا تو بیجاپور طرف
وہاں ٹیک دستا ہے یک دور سوں
چمکتا ہے روشن مرے نور سوں
اسی ٹھار ظاہر ملوں گا تجھے
دلے کیوں سمجھ تو سکے گا مجھے"[3]

عَلَم کا واقعہ

حدیقۂ رحمانی میں لکھا ہے:

"شیخ الحرم کے خواب میں آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ ایک عَلَم سلیح خانہ سے ہمارے میراں جی کو دو اور آپ کو بھی فرمایا کہ شیخ الحرم سے یہ

---

[1] شجرۃ الاتقیا۔ معظّم قلمی کتب خانہ درگاہ امین الدین اعلیٰ بیجاپور۔

[2] وصف حضرت شاہ میراں جی۔ از بابا شاہ حسینی المعروف بہ پیا شاہ حسینی۔ مخطوطہ نمبر ۱۲۹ کتب خانہ درگاہ امین الدین اعلیٰ۔ بیجاپور۔

[3] معظّم۔ شجرۃ الاتقیا۔ قلمی کتب خانہ درگاہ امین الدین اعلیٰ بیجاپور۔

عَلَم لے کر دکن جاؤ۔ تمہارے مقسوم میں نعمت ہے اور جس جگہ یہ عَلَم گڑ جائے وہ تمہاری سکونت کی جائے ہے اور دفن بھی اسی جگہ رہوگے۔ علی الصبح آپ شیخ الحرم سے عَلَم لے کر راہیِ دکن ہوئے"۔ [1]

مشکوٰۃ النبوۃ، تذکرۃ القادری اور تذکرۂ اولیائے دکن میں بھی عَلَم کے اس واقعہ کا ذکر ملتا ہے۔ درگاہ امین الدین اعلیٰ بیجاپور میں آج بھی وہ عَلَم محفوظ ہے۔

طالب علم کا واقعہ ۔ ایک روز آپ سلوک میں تھے، ایک طالب علم مسافتِ بعید سے آپ کی خدمت میں آیا، اور بہت سی گفتگو کے بعد پوچھا، اللہ کہاں ہے؟ فرمایا رُوبرُو بیٹھ کر سوال جواب کرتا ہے پھر اللہ کو ڈھونڈتا ہے۔ شاہ برہان الدین جانم صاحبزادے آپ کے اس بات کو سُن کر طالب علم کو طلب کیا، اس کے نہایت تعظیم کئے اور گھر میں اپنے آثار بعد فہمائش معرفتِ الٰہی جب اس نے تمامی الابواب کو سمجھ لیا تو فرمایا، قبلہ نے جو کچھ فرمایا تھا درست ہے یا دروغ۔ طالب علم نے آداب بجا لا کر اقرار کیا کہ کلام آپ کا سچا ہے"۔ [2] — مشکوٰۃ النبوۃ میں اس روایت کا ذکر ہے۔

نبی کریم صلعم کے حکم سے شاہ پور واقع بیجاپور کی طرف روانگی کے واقعہ کو معظّم نے شجرۃ الاتقیا، میں یوں بیان کیا ہے:

کئے استغفار اد تو مستقیم — جو ایسے میں آئے نبیؐ الکریم
کہے یار کیا ہے طلب تجہ سوں بول — جکچہ راز دل میں تجے ہے سو کھول
نبی کے رکھے پاؤں پر سر فقیہ — کہے یا نبی تول ہے روشن ضمیر
مرے دل میں شوق آتا اناال — جو ظاہر دسے مجھ تمہارا جمال
نبی رحم کر دکے) کہے یا علی — کر ان کو بیعت خدا کے ولی
نبی کے امر سوں یو بیعت کئے — خلافت کی اس شاہ خلعت دیئے [3]

---

[1] و [2] حدیقۂ رحمانی۔ عبدالرحمٰن سقاف، ص ۳۸۱

[3] معظّم۔ شجرۃ الاتقیا،

حضرت امین الدین علی اعلیٰ کے پوتے علی پیر نے بھی اپنی کتاب "سراج العشق" میں ان واقعات کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

کہ ایں ہا عرض کردند مصطفےٰ را — ترا معلوم است احوالِ ما را
حمل بر داشتن طاقت نہ دارم — کہ حکم تو شود دم بر نیارم
شنید ایں عرض را حضرت پیمبرؐ — ترا بہ سپردہ ام با شاہِ حیدر
رموز و راز ہا بر تو کشادم — نشان نورِ خود را یا تو دادم
کہ نعمتِ باطنی اینہا از و یافت — ز مخفی گنج بر ایشاں بہ پرداخت
وداع کرد گفت ایں بر تو شاید — ہموں جا باش بوئے من بر آید
ہمہ اسرار بر ایشاں عیاں شد — اجابت کرد خود آنگہ رواں شد
بہ نزد شہ کمال الدین رسیدہ — کہ نعمتِ ظاہری از وے چشیدہ
از آں جا آمدہ شاہ بہ شاہ پور — ظہورے شد ہموں بوئے ہموں نور
مقیمی شد دراں جا چند ایام — ظہورے شد تجلّی خاص بر عام
شہنشاہِ معظم قطب آفاق — خطاب آمد ز درگاہ شمس العشاق [1]

سید علی پیر کے مطابق میراں جی کا لقب "شمس العشاق" عطائے رسول ہے۔ چنانچہ اسی مثنوی "سراج العشق" میں لکھتے ہیں:

لقب ایں را گرفتہ کن تو آواز — جواب تو دہد آں شاہِ شہباز
نبی گفت خدا ہست از تو مشتاق — کہ برخیزاے میراں جی شمس العشاق [2]

لیکن صاحب شجرۃ الاتقیا، سید محمد حسینی معظم کا کہنا ہے کہ میراں جی کو اُن کے پیر کمال الدین بیابانی نے شمس العشاق کے لقب سے سرفراز کیا تھا:

"کہے تم ہمارے پہ مشتاق ہیں — دو عالم میں تم شمس عشاق ہیں
میراں جی اتھا نام ان کا اوّل — لقب شمس عشاق کا کر فضل

---

[1] و [2] سراج العشق۔ حضرت علی پیر خلف بابا شاہ حسینی ابن امین الدین اعلیٰ، مخطوطہ کتب خانہ درگاہ امین۔

[3] شجرۃ الاتقیا،۔ معظّم۔

بیعت و خلافت

حدیقۂ رحمانی، مشکوٰۃ النبوۃ اور "سلسلہ آصفیہ" میں لکھا ہے کہ آپ حضرت کمال الدین بیابانیؒ کے مرید و خلیفہ تھے اور "تذکرۂ اولیائے دکن جلد دوم ص۸۲۷ میں بھی لکھا ہے کہ آپ حضرت کمال الدین بیابانیؒ کے مرید و خلیفہ تھے لیکن اسی تذکرے کی جلد دوم ص۹۹۲ میں لکھا ہے :

"شاہ جمال مغربی جو سید محمد حسینیؒ کے خلیفہ تھے، ان سے بیعت کی اور خلافت کا خرقہ لیا۔"

اس طرح اس تذکرے میں تضاد بیانی پائی جاتی ہے ۔

. . . . اسی طرح تذکرۃ القادری میں ایک جگہ لکھا ہے ۔ آپ جمال الدین مغربیؒ کے ہاتھوں بیعت کئے اور خرقتِ خلافت حاصل کیا۔ اور دوسری جگہ شجرۂ خواجہ چشت کے حوالے یہ بھی لکھا ہے کہ آپ شاہ کمال الدین بیابانی کے مرید و خلیفہ تھے ۔ بالکل اسی طرح برکات الاولیار میں ایک جگہ یہ مرقوم ہے کہ خواجہ کمال الدین بیابانی چشتی سے بیعت کی اور فیض و خرقۂ خلافت حاصل کیا اور آگے لکھا ہے :

"کہتے ہیں کہ آپ نے شاہ جمال مغربیؒ خلیفہ سید محمد حسینی گیسو دراز سے بھی فیضِ چشتیہ اور خرقۂ خلافت حاصل کیا۔" [۱]

بیجاپور میں تین منظوم شجروں کا پتہ چلا ہے ۔ پہلے منظوم شجرے میں شاعر کا نام نہیں ہے ۔ اس کے چند اشعار درج ذیل ہیں :

بروحِ ابوالفتح گیسو دراز   محمد حسینی و بندہ نواز
بروحِ جمال الدین مغربی   بر آل لطفہا و اکرام کردہ بہ ہیں
بروحِ کمال الدین رسول   کہ بودند آنہا بدرگاہ قبول

---

[۱] برکات الاولیار ص ۱۱۱

بروحِ میراں جی شمس العشاق   مکمل ولی بود ہم در آفاق [۱]

دوسرے دکنی منظوم شجرہ کا لکھنے والا منصف نام کا کوئی شاعر ہے اور یہ شجرہ ۱۱۳۶ھ میں لکھا گیا ہے ۔ اس کے کچھ اشعار ذیل میں درج کئے جاتے ہیں :

یہ ہیں سیّد محمد گیسو دراز   دے وہیں راز پر گھٹ کئے سرفراز
انو سے شاہ مغربی کے جمال   مشرّف ہوئے اور پائے وصال
انو سے اسرار واحد ہیں کمال   نکل بہار مغرب سے آیا ہلال
خلافت انو سے شمس العشاق کوں   مرحمت کئے قطب الآفاق کوں [۲]

تیسرا دکنی "شجرہ منظوم" مسافر کا لکھا ہوا ہے جس کے چند شعر یہ ہیں :

ہے پھر بندہ نواز سید محمد   حسینی ہے لقب ان کا محمد
انوں سیں شاہ جمال مغربی ہے   کمال الدین بیابانی صحی ہے
امیرالدین میراں جی شمس العشاق   برہان الدین پھر و حق کا مشتاق
امین الدین علی شیرِ خدا ہے   خدا کے راہ کا وو رہنما ہے [۳]

ان تینوں منظوم شجروں کے علاوہ حضرت محمود خوشدہانؒ کی تصنیف "معرفت السلوک" [۴] میں بھی اس کا ذکر ہے ۔ علاوہ ازیں اس کی توثیق "شجرۂ اولیار" [۵] سے بھی ہوتی ہے جو درگاہ حضرت امین الدین اعلیٰ بیجاپور میں ہے ۔ اور جو ۲۵ ذی قعدہ ۱۱۹۹ھ بروزِ جمعہ لکھا گیا ہے اور جس کے کاتب حاجی نور محمد علی ہیں ۔

"شجرۂ اولیار" کا کچھ اقتباس درج ذیل ہے :

---

[۱] قلمی بیاض ۔ کتب خانہ درگاہ امین الدین اعلیٰ بیجاپور ۔
[۲] شجرۂ منظوم ۔ منصف ۔ قلمی کتب خانہ درگاہ حضرت ہاشم پیر، بیجاپور
[۳] قلمی بیاض ۔ کتب خانہ گیان محل ۔ بیجاپور ۔
[۴] معرفت السلوک ۔ محمود خوشدہان، مخطوطہ کتب خانہ درگاہ حضرت ہاشم پیر، بیجاپور
[۵] شجرۂ اولیار ۔ قلمی ۔ درگاہ حضرت امین الدین اعلیٰ ۔

حضرت عاشق شہباز صدر الدین ابوالفتح
سید محمد حسینی گیسو دراز ملقب
بندہ نواز گیسو دراز قدس اللہ سرہ العزیز

حضرت شاہ جمال الدین مغربی قدس اللہ سرہ العزیز

حضرت شاہ کمال الدین بیابانی قدس اللہ سرہ العزیز

حضرت شاہ ولایت پناہ بدر منیر فیض بخش
شمس العشاق شاہ میراں جی صاحب قدس اللہ سرہ العزیز

سید محمد حسینی معظم[1] سید علی پیر[2]، اور حالی[3] جو اس سلسلہ کے بزرگ ہیں، اور شاہ میراں جی شمس العشاق سے قربِ زمانی رکھتے ہیں یہی سلسلہ بیعت و خلافت بیان کرتے ہیں۔ بعد کے بزرگوں میں شاہ تراب[4]، حسین علی شاہ[5]، اور عاشق[6] کا بھی یہی خیال ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ میراں جی شمس العشاق کے پیر و مرشد حضرت کمال الدین

---

[1] معظم: شجرۃ الاتقیاء [2] سید علی پیر: سراج العشق [3] حالی: مثنوی حالی مخطوط کتب خانہ درگاہ امین الدین اعلیٰ [4] شاہ تراب: خلافت نامہ کتب خانہ انجمن ترقی اردو ہند علی گڈھ۔ [5] حسین علی شاہ: مجمع العطار، کتب خانہ روضتین گلبرگہ۔
[6] عاشق، کلیاتِ عاشق ۶۲۲۔ جدید۔ کتب خانہ آصفیہ۔

بیابانی[1]۔ خود شاہ میراں جی کی ایک مثنوی " شہادت الحقیقت یا شہادۃ التحقیق " میں ایک ایسی داخلی شہادت موجود ہے جس سے اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ حضرت کمال الدین بیابانی ہی ان کے پیر تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

اس کمالیت کے سنگ۔ اس خانوادے کے انگ
اُن گمائے اپنا حال تو ہوئے پیر کمال
کچھ ترے نصیب مرے پگ دیکھے تو اُن کیرے

علاوہ ازیں میراں جی نے اپنی ایک مثنوی " مغز مرغوب " کے پہلے شعر میں اپنے مرشد کا ذکر کیا ہے۔

اللہ محمد علی، امام دائم ان سوں حال سب خاصوں اللہ اللہ تو آنکھوں گیان کمال

اور اسی مثنوی کے آخری مصرعہ میں اپنے پیر کمال الدین بیابانی سے عقیدت کا اظہار اس طرح کیا ہے:

" شاہ کمال کے پاؤں لاکوں اسے چومیں رہیں " [1]

میراں جی کی ایک دکنی مثنوی چہار شہادت ہے۔ اس میں بھی اُنھوں نے اپنے مرشد کا ذکر دو جگہ کیا ہے۔ چنانچہ اس مثنوی کے تیسرے شعر میں کہتے ہیں ؎

اس کمالیت کے کمال ـــ! تن مکھ لِھیں شہادت حال

اسی مثنوی کے آخری شعر میں کہتے ہیں ؎

یہ مت پائے کمالیت مکھ تو لِھے سب سُکھوں کا سُکھ

اولاد و خلفاء

" مجمع الانساب" مخطوط کتب خانہ گچی محل بیجاپور میں لکھا ہے:

" شاہ میراں جی را سہ فرزندیکی برہان الدین صاحب، دوم بابا شاہ صاحب۔ سوم شیخ فرید صاحب " حضرت امین الدین اعلیٰ کے ذکر کے ضمن میں صاحب روضۃ الاولیاء بیجاپور نے لکھا ہے:

---

[1] بعض نسخوں میں یہ مصرعہ اس طرح لکھا ہے " شاہ کمال کے گوں لاگ اسے چومیں رہیں "۔

"آپ (خواجہ امین الدین علی اعلیٰ) اپنے والد بزرگوار حضرت برہان الدین جانمؒ کی وفات کے بعد پیدا ہوئے۔ آپ اولیاءِ کامل اور مجذوبانِ واصل سے تھے اور اپنے چچا حضرت خواجہ عطاء اللہ قدس سرہٗ سے ارشاد اور بیعت حاصل کرکے رات محویت و شہود و استغراق میں رہتے تھے۔"[1]

وصیت نامہ باباشاہ حسینی میں لکھا ہے:

"از میراں جی شمس العشاق سہ فرزند بودند، فرزندِ کلاں برہان الدین جانم صاحب، دوم عطاء اللہ حسینی صاحب و سوم فرید صاحب۔"[2]

ممکن ہے عطاء اللہ حسینی صاحب کا عرف باباشاہ حسینی ہو۔ کیونکہ مجمع الانساب میں دوسرے فرزند کا نام باباشاہ صاحب بتایا گیا ہے۔

درگاہ امین الدین علی اعلیٰ کے کتب خانہ میں ایک خلفائی شجرہ ہے جس میں حضرت میراں جی شمس العشاق کے حسبِ ذیل دس خلفاء کے نام ملتے ہیں:

برہان الدین جانمؒ، ہیبت خان، میاں عبداللہ، تیغ خانؒ، باباگوڈریا، میاں من اللہ، میاں جانا بن سونا، شیخ فرید چشتی، باباچاند بولے، مرزا فصیح الدین، بابا سجنجل خاکسار۔

ان تمام خلفاء میں آپ کے فرزند برہان الدین جانمؒ کو جو شہرت نصیب ہوئی وہ کسی اور کو میسّر نہ آسکی۔ برہان الدین جانم دکنی ادب میں کئی تصانیف کے مالک ہیں۔ ان کا نثر کا رسالہ "کلمۃ الحقائق" اُردو نثر کا مستند نقشِ اولین سمجھا جاتا ہے جس کو ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ اور مولوی اکبرالدین صدیقی صاحب نے مرتب کرکے علی الترتیب سلسلۂ مجلس تحقیقاتِ اُردو، اور ادارہ ادبیاتِ اُردو کے زیرِ اہتمام شائع کیا ہے۔ اس ایک نثری تصنیف کے علاوہ حضرت برہان الدین جانم کے حسبِ ذیل منظوم تصانیف بھی ہیں:

[1] روضۃ الاولیاء بیجاپور۔ ص ۱۲۲
[2] باباشاہ حسینی، وصیت نامہ۔ قلمی، کتب خانہ درگاہ امین الدین اعلیٰ۔

۱۔ ارشاد نامہ، ۲۔ سکھ سہیلا، ۳۔ وصیت الہادی، ۴۔ منفعت الایمان، ۵۔ نسیم الکلام، ۶۔ نکتۂ واحد، ۷۔ حجت البقا، ۸۔ بشارت الذکر، ۹۔ رمز الواصلین، ۱۰۔ کنز نامہ، ۱۱۔ مسافرت خان میاں و بیانِ خلاصہ، ۱۲۔ لعبۃ جانم یا توحید غیقت، ۱۳۔ کتاب عبرت آدم

ان میں سے اوّل الذکر دو کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ ارشاد نامہ کو مولوی اکبرالدین صدیقی صاحب نے مرتب کرکے اپنے مقدمہ کے ساتھ شائع کیا ہے۔ سکھ سہیلا کو ڈاکٹر حفیظ سید نے اپنے تفصیلی مقدمہ کے ساتھ شائع کیا ہے۔

میراں جی شمس العشاق کے خلفاء میں ان کے فرزند برہان الدین جانم کے بعد جس خلیفہ کا تذکروں میں اچھے الفاظ میں ذکر ملتا ہے وہ مرزا فصیح الدین عرف بابا سجنجل خاکسار ہیں جو میراں جی کے خاص تربیت یافتوں میں سے ہیں[1]۔ جن کا مزار ساگر میں ہے[2]۔ اور جو تصوف اور شعر و سخن میں سرآمدِ روزگار اور دکن کے امیر خسرو تھے۔[3] صاحب روضۃ الاولیائے بیجاپور نے بھی بابا سجنجل کے بارے میں لکھا ہے:

"مرزا فصیح الدین مشہور بابا سجنجل کہ از مشاہیرِ وقت بود و در سلوک و تصوف چاشنی وافر می داشت و در شعر و شاعری سرآمدِ دوراں و کلامش پسند و مقبول سلاطین و خواتین زماں بود و مرقدش در قصبۂ ساغر از مریداں و تربیت یافتگاں و خلفائی آنحضرت است۔"[4]

سنہ وفات

شاہ میراں جی شمس العشاق کے سنہ وفات کے بارے میں تذکرہ نگاروں اور محققین کے بیانات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

[1] برکات الاولیاء ص ۱۱۵
[2] سلسلۂ آصفیہ ص ۶۰۵
[3] تذکرۂ اولیائے دکن، ص ۹۹۲
[4] محمد ابراہیم زبیری: روضۃ الاولیاء بیجاپور۔

برکات الاولیاء[1] میں تاریخ و سنہ وفات ۱۲ ربیع الاول ۸۸۰ھ درج ہے۔ سلسلۂ آصفیہ[2] اور تاریخ محمدیہ[3] میں نہ تاریخ درج ہے اور نہ سنہ۔ روضۃ الاولیاء بیجاپور[4] کے ایک نسخہ میں نہ تاریخ درج ہے نہ سنہ۔ البتہ دوسرے نسخہ[5] میں لکھا ہے: "عرس ۲۵ رشوال کو ہوتا ہے"۔ حدیقۂ رحمانی[6]، مشکوٰۃ النبوۃ[7] اور تذکرۃ القادری[8] میں سنہ نہیں بلکہ صرف تاریخ ۲۵ رشوال لکھی گئی ہے۔

حامد حسن قادری صاحب نے "داستان تاریخِ اردو" میں لکھا ہے:

"بیجاپور میں ۹۰۲ھ/۱۴۹۶ء میں وفات پائی"۔[9]

نصیر الدین ہاشمی صاحب نے "دکن میں اردو" میں لکھا ہے:

"۲۵ رشوال ۹۰۲ھ کو آپ کا انتقال ہوا۔ آج تک عرس ہوتا ہے۔ دور دور سے لوگ زیارت کے لیے آتے ہیں۔ شاہ حسین ذوقی نے شمس العشاق سے آپ کی تاریخِ وفات نکالی تھی"۔[10]

"اردو شہ پارے" کے پہلے ایڈیشن میں میراں جی شمس العشاق کا سالِ وفات ۱۴۹۸ء درج تھا جس کے متعلق ڈاکٹر محمد باقر نے لکھا تھا:

"ڈاکٹر زور نے اپنی گراں قدر تصنیف "اردو شہ پارے" میں شمس العشاق کا سالِ وفات ۱۴۹۸ء درج کیا ہے لیکن کسی اور مصنف نے شمس العشاق کا یہ سالِ وفات نہیں دیا۔ زبیری (صاحب روضۃ الاولیاء بیجاپور) ان کی تاریخِ وفات ۲۵ رشوال ۹۰۲ھ مطابق ۱۴۹۶ء معین کرتا ہے۔ ڈاکٹر ٹی گراہم بیلی اور حافظ محمود شیرانی نے بالترتیب سالِ وفات ۱۴۹۶ء اور ۹۰۲ھ درج کیا ہے۔

---

[1] امام الدین، برکات الاولیاء، ص ۱۱۵

[2] سلسلۂ آصفیہ جلد ہشتم، ص ۶۰۵

[3] جہاں نما علی شاہ، تاریخ محمدیہ ص ۲۰۲ کتب خانہ آصفیہ۔

[4] روضۃ الاولیاء بیجاپور مخطوطہ نمبر ۲۶۶۔ تذکرہ،

[5] " " " " " ۱۹۹

[6] حدیقۂ رحمانی، ابن سقاف ص ۱۷۱۔

[7] مشکوٰۃ النبوۃ ص ۴۹۵

[8] تذکرۃ القادری، ص ۱۲۸۔

[9] حامد حسن قادری، داستان تاریخِ اردو، دوسرا ایڈیشن ص ۳۴۔

[10] نصیر الدین ہاشمی۔ دکن میں اردو۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "اردو شہ پارے" میں کاتب کے سہو سے شمس العشاق کا سالِ وفات ۱۴۹۶ء کی بجائے ۱۴۹۸ء درج ہوا ہے۔ کیونکہ کسی اور تذکرہ میں شمس العشاق کا سالِ وفات یوں درج نہیں"۔[1]

ڈاکٹر محمد باقر کا یہ خیال صحیح معلوم ہوتا ہے کہ کاتب کے سہو سے ایسا ہوا ہے۔ کیونکہ "اردو شہ پارے" مطبوعہ ۱۹۲۹ء میں شاہ میراں جی کی تاریخ و سنہ وفات ۹۰۲ھ بتلایا گیا ہے۔[2]

لیکن ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور نے اپنے مقالہ "بہمنی ادب" میں لکھا ہے:

"بہمنی دور کے ایک بہت بڑے مصنف شاہ میراں جی شمس العشاق ۹۰۲ھ میں پیدا ہوئے"۔[3]

اسی طرح مقدمہ "ارشاد نامہ" میں ڈاکٹر زور نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ ۹۰۲ھ میراں جی کا سنہ پیدائش ہے اور ۹۷۰ھ سنہ وفات۔

بابائے اردو مولوی عبدالحق نے رسالہ اردو اپریل ۱۹۲۷ء میں لکھا ہے:

"آپ کی تاریخ ولادت صحیح طور پر معلوم نہیں لیکن آپ کی وفات ۹۰۲ھ میں ہوئی۔ تذکرۂ اولیائے دکن میں ان کی تاریخ وفات ۹۱۰ھ لکھی ہے مگر یہ صحیح نہیں معلوم ہوتی کیونکہ شمس العشاق سے ان کی تاریخ نکلتی ہے جو ۹۰۲ھ ہوتی ہے اور یہ مادۂ تاریخ شاہ حسین ذوقی کا کہا ہوا ہے۔ صاحب روضۃ الاولیاء بیجاپور نے جو بیجاپور کے اولیاء اللہ کے حالات میں ہے ان کے انتقال کی تاریخ نہیں دی ہے البتہ مجھے ایک پرانا مرثیہ ملا ہے جو کسی نے حضرت میراں جی کی وفات پر لکھا ہے اس سے ان کی تاریخ ۲۵ رشوال ۹۰۲ھ معلوم ہوتی ہے"۔[4]

---

[1] اردوئے قدیم کے متعلق چند تصریحات۔ از ڈاکٹر محمد باقر، پروفیسر اورینٹل کالج لاہور۔ اورینٹل کالج میگزین فروری ۱۹۴۰ء۔

[2] اردو شہ پارے۔ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور۔ مطبوعہ ۱۹۲۹ء، ص ۲۹۔

[3] بہمنی ادب۔ " " " نوائے ادب اکتوبر ۱۹۵۰ء۔

[4] مولوی عبدالحق، شاہ میراں جی شمس العشاق۔ اردو اپریل ۱۹۲۷ء، ص ۱۷۲۔

مولوی عبدالحق نے مرثیہ کے حسبِ ذیل صرف پانچ اشعار کو درج فرمایا ہے :

سرود، مرا ڈھل گیا، کرتا رہا بھایا اُن لیا　　جو اُن کیا میں سر لیا، جے کچھ حکم الٰہی کا
تاریخ حضرت سال نو سو، اس پہ اگلے بھی دو　　دو* دن مدت وفا شو، جے کچھ حکم الٰہی کا
اربع سوں یو سال ہے ماہے کو شوال ہے　　رحلت کئے اس حال ہے، جے کچھ حکم الٰہی کا
شب پنجشنبہ روشن کیا، ہجرت منور پور کیا　　جیوڑا قبض کر اُن لیا، جے کچھ حکم الٰہی کا[1]

مولوی اکبر الدین صدیقی صاحب "کلمۃ الحقائق" کے مقدمہ میں لکھتے ہیں :

"۲۵ رشوال ۹۰۲ھ / ۱۴۹۶ء کو آپ کا وصال ہوا۔ آپ کی تاریخ وفات شاہ حسین ذوقی نے شمس العشاق سے نکالی ہے لیکن اس سے زیادہ مستند ایک مرثیہ ہے جس میں الفاظ ہی میں تاریخ دی گئی ہے۔ یہ مرثیہ مربع کی صنف میں ہے۔ اس میں ۲۴ بند ہیں اور درمیان میں جگہ جگہ دوہرے بھی کہے گئے ہیں جن کی تعداد پندرہ ہے۔ یہ مرثیہ حضرت شمس العشاق کے صاحبزادے برہان الدین جانم کا ہے۔ وہ دوہرے اور کبت وغیرہ لکھنے میں ماہر تھے۔ اس قسم کی کئی اور چیزیں کتب خانوں میں محفوظ ہیں چنانچہ مرثیہ کے چند شعر ڈاکٹر عبدالحق نے اپنے مضمون میں درج فرمائے ہیں۔"[2]

مرثیہ کے جو اشعار مع دوہروں کے مقدمہ "کلمۃ الحقائق" میں دیئے گئے ہیں وہ یہ ہیں :

شاہ میراں جی جگے تن سو ہے رتن منج دل کندن　　لیتا چھڑنا اپنی اذن، جے کچھ حکم الٰہی کا
سو ہے میراں مج پیر ہے، اوس روز کا دستگیر ہے　　تج بن میں سیر ہے، جے کچھ حکم الٰہی کا

٭ مولوی عبدالحق نے "دین" لکھا ہے۔

[1] اس مرثیہ میں مولوی عبدالحق نے عجب ٹکڑے ٹکڑے کر کے لکھا ہے —
شب پنجشنبہ روشن کیا　　ہجرت منور پور کیا
جیوڑا قبض کر اُن لیا　　جے کچھ حکم الٰہی کا

[2] کلمۃ الحقائق ص ۴، مرتبہ اکبر الدین صدیقی۔

دوہرا

بن تیل دیوا کیوں جلے دونکہ بکھی جون پھرے
یو جیو بادل بجھ بنا، بن جل مچھی تڑپیا کرے

تجھ سوز بر ہے داغ پر، جوں موم گلتا آگ پہ　　یوں دکھ لکھیا مج بھاگ پر، جے کچھ حکم الٰہی کا
منج باج نہ کچ غم کرو، توکل تکیہ اس پہ دھرو　　بولیا چالیا تم معاف کرو، جے کچھ حکم الٰہی کا

دوہرا

کوئی نار ہیں رت جگے دونی سب جگ مرن ہار
کوئی آنکھیں کوئی پچھیں پیچھو لگے سیتھن چلن ہار

جے کوئی ولی ہور اولیا سب کوئی پیالہ یہ پیا　　جس جیو دیا اوس سوت دیا، جے کچھ حکم الٰہی کا
منج ہے دیو مشغول سوں، تا کوئی اٹھو غول سوں　　خوشنود رب کے قول سوں، جے کچھ حکم الٰہی کا

دوہرا

جے کوئی جیویں سب مریں دائم جیوے نا کوے
قیامت لگ جے جیویں تو آخر مرنا ہوے

تاریخ و مقام

تاریخ حضرت سال نو سو دو اس پر اگلے بھی دو　　دو دن مدت وفا شو، جے کچھ حکم الٰہی کا
اربع سوں یو سال ہے ماہے کوں شوال ہے　　رحلت کئے اس حال ہے، جے کچھ حکم الٰہی کا
تاریخ نسبت و پنج بود، بسیار گریاں رنج شد　　در حال واصل گنج خود، جے کچھ حکم الٰہی کا
شب پنجشنبہ روشن کیا، ہجرت منور پور کیا　　جیوڑا قبض کر اُن لیا، جے کچھ حکم الٰہی کا
دنیا کا منج پدرا ہے، اور دین منج لنگرا ہے　　اس دکھ کا منج عذرا ہے، جے کچھ حکم الٰہی کا
دنیا بھی منج فاضل کیا، اور دیں منج حاصل کیا　　باحق مجھے واصل کیا، جے کچھ حکم الٰہی کا

دوہرا

جگہ جیتا دل من تو میراں قلب دکھ ایسا توں دے
سو پیچ جینا سانچ کر سنگت ترے جی لے

تج بن سُکھ نا پاؤں، منج دُکھ گھیرا ہوے
اکھر مرے بول لکھے میٹ نا سکے ہوے

مقام کا ذکر

روضہ منوّر پور ہے، مقام تجھ شاہ پور ہے
دین دنیا میں ظہور ہے، جے کچھ حکم الٰہی کا

مرثیہ کے جو اشعار مولوی عبد الحق نے دیئے ہیں اس کے مقابلہ میں مولوی اکبر الدین صدیقی صاحب کے دیئے ہوئے اشعار جہاں تعداد میں زیادہ ہیں وہیں زیادہ صحت پر مبنی نظر آتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک تو مولوی عبد الحق نے اس مرثیہ کو عجب ٹکڑے ٹکڑے کرکے لکھا ہے۔ دوسرا یہ کہ وہ شعر جس میں سنہ ولادت کا ذکر ہے اس کو اس طرح لکھا ہے :

تاریخ حضرت سال نو سو، اس پر اگلے بھی دو
دو دن مدّت وفا شو، جے کچھ حکم الٰہی کا

اس کے برخلاف اکبر الدین صدیقی صاحب نے اس شعر کو یوں لکھا ہے :

تاریخ حضرت سال نو سو دو، اس پر اگلے بھی دو
دو دن مدّت وفا شو، جے کچھ حکم الٰہی کا

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اکبر الدین صدیقی صاحب نے "دو" کو "دو" پڑھا ہے۔ دکنی میں "دو" کے معنی "اور" کے آتے ہیں۔ اسی لئے اکبر الدین صدیقی صاحب نے "نو سو دو اس پر اگلے بھی دو" سے (۹۰۲) مراد لیا ہے۔ اس طرح سنہ وفات ۹۰۲ھ قرار دیا ہے۔ حالانکہ شعر مذکور کے لحاظ سے "نو سو دو اور اس پر اگلے بھی دو" ہونا چاہیے۔ کیونکہ مذکورہ مرثیہ میں ۲۵ رشوال اور شبِ پنجشنبہ کا ذکر واضح انداز میں آیا ہے۔ جنتری میں ۲۵ رشوال ۹۰۲ھ کو دوشنبہ کا دن آتا ہے۔ اس کے برخلاف ۲۵ رشوال اور شبِ پنجشنبہ یعنی چہارشنبہ کا دن نو سو چار (۹۰۴ھ) میں آتا ہے۔[1]

[1] AN INDIAN EPHEMERIS AD 700 TO 1799 AD. BY L.D. SWAMI KANNU PILLAI

راقم الحروف کا خیال ہے کہ شعر مذکور صحت کے ساتھ اس طرح ہونا چاہئے

تاریخ حضرت سال نو سو دو، اس پر اگلے بھی دو
دو دن مدّت وفا شو، جے کچھ حکم الٰہی کا

ڈاکٹر حسینی شاہد نے مرثیہ کے مذکورہ مصرعہ کی قرأت کے اختلاف کو واضح انداز میں اس طرح پیش کیا ہے :

"مولوی عبد الحق نے مرثیے کے جس مصرعہ کی قرأت "تاریخ حضرت سال نو سو اس پہ اگلے بھی دو" دی ہے اکبر الدین صاحب صدیقی نے اس کی قرأت "سال نو سو دو اس پر اگلے بھی دو" دی ہے۔ اس اختلاف کے باوجود دونوں نے اس مصرعہ سے میراں جی کا سنہ ۹۰۲ھ نکالا ہے۔ یعنی صدیقی صاحب نے مولوی عبد الحق کے نقل کئے ہوئے مصرعہ میں لفظ 'دو' کا اضافہ کیا ہے جس سے اس کے مفہوم میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا۔ ہاشم علی صاحب کا قیاس ہے کہ یہ لفظ 'دو' نہیں 'دو' ہے اس طرح متذکرہ مصرعہ میں جو سنہ لیا گیا ہے وہ ۹۰۲ کی بجائے ۹۰۴ھ ہے۔"[1]

یہ بات مسلّمہ ہوجاتی ہے کہ اس مرثیہ کی روشنی میں حضرت میراں جی شمس العشاق کا وصال شبِ پنجشنبہ یعنی چہارشنبہ ۲۵ رشوال ۹۰۴ھ (نو سو چار ہجری) مطابق ۵ رجون ۱۴۹۹ء کو ہوا۔ ڈاکٹر زور ارشاد نامہ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں :

"مولوی عبد الحق صاحب نے رسالہ اردو میں لکھا ہے 'تذکرہ اولیائے دکن میں ان کی (میراں جی شمس العشاق) تاریخ وفات سنہ ۹۰۲ھ لکھی ہے مگر یہ صحیح نہیں معلوم ہوتی۔"

[1] میراں جی شمس العشاق: ڈاکٹر حسینی شاہد۔ نوائے ادب۔ جولائی ۱۹۷۱ء۔

آگے چل کر ڈاکٹر زور لکھتے ہیں :

"عجیب بات ہے کہ تذکرۂ اولیائے دکن میں کہیں سنہ ۹۱۰ھ لکھا ہوا نہیں ملا. بلکہ ص ۸۳۶ میں ہندسوں کے علاوہ الفاظ میں لکھا ہے ۲۵ شوال سنہ ۹۷۰ھ (نو سو ستر ہجری) میں فوت ہوئے. اس تذکرہ کا ایک ہی ایڈیشن شائع ہوا ہے اور کسی بھی اختلاف کی گنجائش نہیں. ہمارا خیال ہے کہ سنہ ۹۰۲ھ میراں جی کا سنہ وفات نہیں بلکہ سنہ پیدائش ہے اور ان کا سنہ وفات اصل میں سنہ ۹۷۰ھ صحیح ہے جیسا کہ تذکرۂ اولیائے دکن میں درج ہے"

تذکرۂ اولیائے دکن کا تفصیلی، احتیاط اور غور کے ساتھ جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اس کتاب میں عبدالجبار خاں ملکاپوری نے میراں جی کا ذکر دو جگہ کیا ہے :

(۱) ص ۸۳۶ پر "میراں جی بیجاپوری" کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ یہ ۲۵ شوال سنہ ۹۷۰ھ (نو سو ستر ہجری) میں فوت ہوئے.

(۲) ص ۹۹۲ پر "شاہ میراں جی شمس العشاق" کے ذیل میں تحریر کیا ہے. آپ نے ۲۵ شوال تقریباً سنہ ۹۱۰ھ میں رحلت کی.

ڈاکٹر زور نے سنہ ۹۰۲ھ شاہ میراں جی کا سنہ پیدائش اور سنہ ۹۷۰ھ سنہ وفات جو قرار دیا ہے اس کی تائید میں انھوں نے مختلف وجوہات پیش کی ہیں لیکن منجملہ اور وجوہ کے ایک اہم اور قابل غور دلیل (ان کے الفاظ میں) سنہ ۹۰۲ھ سنہ وفات کے بجائے سنہ پیدائش ہونے کی یہ بھی ہے کہ اگر تھوڑی دیر کے لئے اس سنہ کو صحیح مان لیا جائے تو یہ ماننا پڑتا ہے کہ شاہ میراں جی کے فرزند شاہ برہان الدین جانم کی وفات سو سال سے زیادہ عمر میں ہوئی. خود مولوی عبدالحق نے رسالۂ اردو اپریل سنہ ۱۹۲۸ء میں تحریر فرمایا ہے.

"شاہ برہان کا ایک رسالہ سنہ ۹۹۰ھ کی تصنیف ہے اور چونکہ یہ سنہ خود اُنھوں نے اپنی نظم میں لکھ دیا ہے[۱] اس لئے شک و شبہ کی گنجائش

---

[۱] غالباً برہان الدین جانم "ارشاد نامہ" کے اس شعر کی طرف اشارہ ہے
ہجرت نہہ صد نود ماں ارشاد نامہ لکھیا جان

نہیں رہتی. ہمارے خیال میں یہ اُن کی آخری تصنیف تھی. اس کے علاوہ ان کی ایک نظم نکتۂ واحد کے نیچے ان کی زبانی دو فرمان لکھے ہیں جن میں سے ایک کی تاریخ ۲ صفر سنہ ۹۶۷ھ اور دوسرے کی سنہ ۹۷۷ھ درج ہے. اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ان سنین میں زندہ تھے"

ڈاکٹر زور لکھتے ہیں کہ ۹۹۰ ہجری میں اگر شاہ برہان نے وفات پائی تو گویا اپنے والد کی وفات کے وقت ان کی عمر بیس سال سے کم نہ ہوگی. کیونکہ تمام تذکروں میں یہ درج ہے کہ وہ اپنے والد کے نہ صرف مرید بلکہ خلیفہ تھے. جب وہ سنہ ۹۰۲ھ میں بیس سال کے تھے، تو سنہ ۹۹۰ھ میں ایک سو آٹھ سال کے ہوئے اور جس وقت اُنھوں انتقال کیا ان کی بیوی حاملہ تھیں. چنانچہ سب تذکرے متفق ہیں کہ "اُن کے فرزند شاہ امین الدین علی اعلیٰ ان کی وفات کے بعد پیدا ہوئے اور چونکہ والد صاحب سے کوئی فیض نہیں حاصل کیا تھا، اس لئے اپنے چچا خواجہ عطا اللہ سے بیعت کی.

ڈاکٹر زور لکھتے ہیں :

"۱۰۸ سال کی عمر تک زندہ رہنا تو قرین قیاس ہے لیکن توالد و تناسل کا سلسلہ جاری رکھنا سمجھ میں نہیں آتا"

"خوارق حیدری"[۱] میں لکھا ہے کہ سید شاہ حیدر ولیؒ کو ۱۲۰ سال کی عمر میں اولاد ہوئی حیدر ولی (متوفی سنہ ۱۰۴۳ھ) جو برہان الدین جانم کے بعد کے بزرگ ہیں اگر ان کے ہاں ۱۲۰ سال کی عمر میں اولاد ہو سکتی ہے تو ایسی صورت میں برہان الدین جانم کا ۱۰۸ سال یا ۱۱۸ سال[۲] کی عمر میں توالد و تناسل کا سلسلہ جاری رکھنا بعید از قیاس نہیں.

---

[۱] ملک الشعراء خواجگی کے مرشد حضرت میراں شاہ حیدر ولی اللہ بن خیرہ قادری (۱۰۴۳ھ) تھے. جو نانگر (ضلع بیدر) میں مدفون ہیں. ان کے حالات و کرامات میں ایک کتاب "خوارق حیدری" لکھی گئی ہے. اس کا ایک نسخہ اس سلسلہ کے سجادہ سید شاہ محمد خیرہ قادری صاحب کے پاس بیجاپور میں ہے.

[۲] گنج محل بیجاپور کے ایک بیاض میں حضرت برہان الدین جانم کی وفات کا مادہ "برہان گوشہ نشین" سنہ ۹۹۹ھ بتلایا گیا ہے. اس سے ثابت ہوتا ہے کہ برہان الدین جانم کی عمر اُن کے انتقال کے وقت ۱۱۸ سال تھی.

سچ تو یہ ہے کہ میراں جی شمس العشاق کے سنہ وفات کے تعین نے محققین کو بڑی اُلجھن میں ڈال دیا ہے۔ رسالۂ 'اُردو' اپریل ۱۹۲۷ء میں مولوی عبدالحق لکھتے ہیں :

"شمس العشاق سے ان کی وفات کی تاریخ نکلتی ہے جو ۹۰۲ھ ہوتی ہے اور یہ مادۂ تاریخ شاہ حسین ذوقی کا کہا ہوا ہے۔"

ارشاد نامہ کے مقدمہ میں ڈاکٹر زور لکھتے ہیں :

"لقب شمس العشاق مادۂ تاریخِ پیدائش ہونے کی وجہ سے ان کی زندگی میں مشہور ہوا ہوگا، جس کو شاہ حسین ذوقی اور ان کی تقلید میں مولوی عبدالحق صاحب نے تاریخِ وفات سمجھ لیا۔ شاہ میراں جی اور ان کے پوتے شاہ امین الدین اعلیٰ کی تاریخِ وفات میں اتنا بُعد ہے کہ بیک نظر اس کی صحت میں شبہ ہونے لگتا ہے۔"

اسی طرح کا شبہ ڈاکٹر گراہم بیلی پروفیسر لندن یونیورسٹی کے دل میں بھی پیدا ہوا تھا۔ چنانچہ انھوں نے اپنی تاریخ ادب اُردو کے صفحہ ۹ پر لکھا ہے :

"THE RELATION-SHIP OF FATHER, SON, AND GRAND SON SAID ON P. 17. TO HAVE EXISTED BETWEEN NO 5 16, AND 8 (SHAH MIR[illegible]JI, SHAH BURHAN AND AMEENUDDIN A'LA) IS ACCORDING TO POPULAR REPORT OBVIOUS BY ONE OR TWO GENERATIONS HAVE DROPPED OVER"

بُرہان الدین جانم کے سنینِ پیدائش و وفات نہیں ملتے۔ امین الدین علی اعلیٰ کے سنینِ پیدائش کے بارے میں تذکرے خاموش ہیں البتہ ان کا سنہ وفات ۱۰۸۵/۱۰۸۶ھ بتایا جاتا ہے جس کی وجہ سے دادا اور پوتے کی وفات کے درمیان ۱۸۳/۱۸۴ سال کا فصل ہوتا ہے اسی لئے ڈاکٹر گراہم بیلی کو یہ شبہ ہوا کہ درمیان میں ایک آدھ پشت چھوٹ گئی ہے لیکن یہ محض شبہ ہے کیونکہ جملہ تذکروں اور مستند شجروں میں شاہ امین الدین علی اعلیٰ کو

کو فرزند شاہ بُرہان الدین جانم ابن شاہ میراں جی بتایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ معرفت السلوک (محمود خوشدہان) شجرۃ الاتقیاء (سید محمد حسینی معظم) مجمع العطار (حسین علی شاہ) وصیت نامول (سید علی پیر و بابا شاہ حسینی) اور دیگر اسناد و احکام سے بھی اس کی توثیق ہوتی ہے۔

جہاں تک شاہ میراں جی شمس العشاق کے سنہ وفات کے تعین کا تعلق ہے مرثیہ (جس کا اُوپر ذکر کیا گیا ہے) بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس مرثیہ کے متعلق مولوی عبدالحق لکھتے ہیں :

"یہ مرثیہ اس ضخیم بیاض میں ہے جس میں حضرت میراں جی، ان کے فرزند، پوتے اور بعض مریدین کے ملفوظات، مقالے، رسالے اور منظومات درج ہیں، اس بیاض کی سنہ کتابت ۱۰۶۸ھ ہے۔" [1]

اسی مرثیہ کے متعلق اکبرالدین صدیقی صاحب لکھتے ہیں :

"مولوی عبدالحق صاحب نے ذکر کیا ہے کہ انھیں اس خاندان کے رسائل کے مجموعے کی ایک کتاب ملی ہے جو ۱۰۶۸ھ کی مکتوبہ ہے اور مری خوش قسمتی ہے کہ اسی کی ایک نقل مجھے ڈاکٹر زور کے کتب خانہ عنایت الٰہی میں مل گئی جس میں چھوٹے بڑے سب ملا کر پچھتّر (۷۵) سے زائد رسائل ہیں چنانچہ گذشتہ صفحات میں جو مرثیہ دیا گیا ہے اسی سے نقل کیا گیا ہے : [2]

ایک سے زائد بار اکبرالدین صدیقی صاحب نے اس کا ذکر کیا ہے کہ یہ مرثیہ میراں جی شمس العشاق کے صاحب زادے برہان الدین جانم کا لکھا ہوا ہے لیکن انھوں نے یہ نہیں بتایا کہ وہ کس بناء پر اس کو بُرہان الدین جانم کا لکھا ہوا مرثیہ سمجھتے ہیں۔ مولوی عبدالحق نے لکھا ہے :

"مرثیہ لکھنے والا میراں جی کا مرید ہے۔"

---

[1] قدیم اُردو، ڈاکٹر عبدالحق ص۶۰ .

[2] کلمۃ الحقائق، مرتبہ محمد اکبرالدین صدیقی ص۹ .

مرثیہ میں ایک شعر ہے ؎

دنیا کا منج پدر الہے ، اور دین منج لنگرد ہے
اس دُکھ کا منج عذرلا ہے، جے کچھ حکم الٰہی کا

شعرِ مذکور میں لفظ "پدر" سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بیٹے نے باپ کے غم میں اپنی آنکھوں سے گنگا جمنا بہائے ہیں۔

اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ یہ مرثیہ میراں جی کے بیٹے برہان الدین جانم کا لکھا ہوا نہیں ہے بلکہ میراں جی کے کسی مُرید نے یہ مرثیہ لکھا ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لکھنے والے نے جھوٹ کیوں لکھا ہوگا۔ اسی قسم کے خیال کا اظہار ڈاکٹر عبدالحق نے بھی کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"مرثیہ لکھنے والا میراں جی کا مُرید ہے۔ سنہ وفات کے علاوہ اس نے تفصیل سے ماہِ شوال بست و پنج اور شبِ پنجشنبہ لکھا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ شخص جھوٹ کیوں لکھتا؟" [1]

جیسا کہ اُوپر ذکر کیا گیا ہے مرثیہ میں تاریخ "سال نو سو دو اور اس پر لگے بھی دو" یعنی ۹۰۴ کے علاوہ تفصیل سے "ماہ شوال" اور تاریخ "بست و پنج" اور "شبِ پنجشنبہ" لکھا ہے اور ۲۵ر شوال شبِ پنجشنبہ یعنی چہارشنبہ کا دن جنتری کے لحاظ سے سنہ ۹۰۲ھ میں نہیں بلکہ سنہ ۹۰۴ھ ہی میں آتا ہے اور میراں جی کا عرس ۲۵ر شوال ہی کو ہوتا ہے۔ ان حالات میں یہ تسلیم کرنا ہی پڑتا ہے کہ میراں جی شمس العشاق کا وصال ۲۵ر شوال سنہ ۹۰۴ھ م ۵ر جون ۱۴۹۹ء کو ہوا۔ اس کی مزید توثیق کتب خانۂ درگاہِ حضرت امین الدین اعلیٰ بیجاپور کے دو بیاضوں سے ہوتی ہے جن میں سے ایک میں "شمس منوّر پور" ۹۰۴ھ اور دوسری میں "مرقدِ ولی شاہ پور" ۹۰۴ھ تاریخ رحلت ملتی ہے اور دونوں سے سنہ مستخرج ہوتے ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ میراں جی کی سنہ وفات سنہ ۹۰۴ھ خود نوشت سے میل نہیں کھاتی کیونکہ خود نوشت کے بموجب میراں جی علی عادل شاہ (اول) کے عہد میں بیجاپور پہنچے، اور

---

[1] اُردوئے مصفّیٰ، ص ۲۶۳۔ مرتبہ عبدالحق جوبلی کمیٹی۔

علی عادل شاہ سنہ ۹۶۵ھ میں تخت نشین ہوا۔ خود نوشت میراں جی شمس العشاق مخطوطہ نمبر ۸۶۳، ادارہ ادبیاتِ اُردو کے بارے میں ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور نے لکھا ہے "خطِ ثلث میں قدیم کاغذ پر سنہ ...ا ھ سے قبل کی کتابت معلوم ہوتی ہے۔" لیکن ڈاکٹر حسینی شاہد کا خیال ہے کہ "یہ سنہ ۱۱۱۹ھ کے بعد کی کتابت ہے۔ اس لئے کہ خود نوشت کے خاتمہ پر جو نسل نامہ درج ہے اس میں سید علی پیر کا نام بھی ہے اور سید علی پیر کا سنہ جلوس سنہ ۱۱۱۹ھ ہے۔

حسبِ ذیل قطعہ سے تاریخ برآمد ہوتی ہے:

آں .... مسند نشینِ کائنات — دستگیرِ عالمِ قُدسی صفات
چوں در آمد بر سریرِ سروری — در جلوس آمد لفقراء دید ذات [1]
۱۱۱۹ھ

اس خود نوشت نسل نامہ کے بارے میں مولوی اکبر الدین صدیقی صاحب لکھتے ہیں:

آپ کا ایک خود نوشت نسل نامہ ہے جو مشتبہ ہے۔ یہ خود نوشت معلوم نہیں ہوتا۔ حضرت میراں جی نے معتقدین کے سامنے کبھی اپنے حالات بیان کئے ہوں اور وہ سینہ بہ سینہ آتے ہوئے گیارھویں صدی میں کسی ایسے وقت لکھے گئے ہوں جبکہ ان کی مہادت کا مسئلہ زیرِ بحث ہو۔ [2]

ڈاکٹر حسینی شاہد کا یہ خیال بالکل صحیح ہے کہ خود نوشت کی سنہ کتابت سنہ ۱۱۱۹ء کے بعد کی ہے اور مولوی اکبر الدین صدیقی کا یہ بیان بھی صحت پر مبنی معلوم ہوتا ہے کہ یہ خود نوشت نہیں ہے بلکہ وہ سینہ بہ سینہ آتے ہوئے گیارھویں صدی میں لکھا گیا ہے بہرحال اس امر میں شُبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ خود نوشت بعد کی چیز ہے۔ ایسی صورت میں سنہ پیدائش و سنہ وفات کے تعین کے تعلق سے خود نوشت کے بیانات کو اتنی اہمیت نہیں دی جا سکتی جتنی کہ مذکورہ مرثیہ کو۔ کیونکہ جیسا کہ سطورِ بالا میں لکھا گیا ہے یہ مرثیہ میراں جی کے بیٹے بُرہان الدین جانم نے اپنے باپ کے انتقال پر لکھا ہے اور اس مرثیہ کی

---

[1] نوائے ادب۔ جولائی سنہ ۱۹۷۱ء ص ۳۵۔
[2] ارشاد نامہ۔ مرتبہ مولوی اکبر الدین صدیقی۔ ص ۱۲۔

رُو سے میراں جی کی تاریخِ وفات ۲۵ رشوال سنہ۹۰۲ھ قرار پاتی ہے اور جیسا کہ اُوپر بیان کیا گیا ہے "شمس منور پور" اور "مرقد ولی شاہ پور" سے بھی اس کی مزید توثیق ہوتی ہے۔ اس لئے میراں جی کی تاریخ وفات ۲۵ رشوال سنہ۹۰۲ھ کے ہونے میں رتی برابر شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

مزار

میراں جی کا مزار حصار شہر کے باہر شاہ پور کے اس ٹیلے پر ہے جہاں بیجاپور پہنچنے کے بعد انھوں نے اقامت اختیار کی تھی۔ مزار پر گنبد ہے۔ "یادداشت قبور" میں دی ہوئی تفصیلات سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے مقبرے میں ان کی بیوی رابعہ مال صاحبہ سالی خوش بی صاحبہ اور صاحبزادے شاہ برہان الدین جانم بھی دفن ہیں۔ یہ چھوٹا گنبد کہلاتا ہے۔ بڑا گنبد حضرت امین کے روضہ کو کہتے ہیں جو اسی احاطے میں ہے۔

مدح میراں جی

ڈاکٹر زورؔ نے لکھا ہے "مدح شاہ میراں جی" کے عنوان سے کریمؔ نامی کسی شاعر نے شاہ میراں جی شمس العشاق کی مدح لکھی ہے۔ "مدح شاہ میراں جی" کا ایک نسخہ ادارہ ادبیاتِ اُردو حیدرآباد میں ہے۔ ڈاکٹر زورؔ نے کریمؔ کو میراں جی شمس العشاق کا مرید بھی بتلایا ہے۔[1]

"مدح شاہ میراں جی" ایک ترکیب بند ہے اور ہر بند میں (۶) مصرعے ہیں جن کے آخر میں وہی ایک شعر ہے جو نظم کی ابتدا میں لکھا گیا ہے۔ جملہ ۶ بند ہیں۔ پہلا اور آخری بند درج ذیل ہے:۔

---

[1] "مدح شاہ میراں جی"۔ تذکرہ مخطوطات۔ جلد اوّل ص ۱۴۴۔

پہلا بند :

ارے طالب ہونا طلب خُدا
جے حق سے آیا یہی نِدا

جن روح کوں تن کا سنگ ہُوا   جھل اثر دل اس کے دنگ ہُوا
جب گیاں تن نگیں سنگ ہُوا   یاں یاد دلبر یک رنگ ہُوا
او شاہد دلبر تنگ ہُوا   ارے طالب ہونا طلب خُدا

ارے طالب ہونا طلب خُدا
جے حق سے آیا یہی نِدا

آخری بند :

پیر شہ میراں جی آن ملے   منج پر موں اپنے لائے گلے
سب تن من جیئو کے پھول کھِلے   اس خوش بوئی سوں جیو کھلے
یوں سب میں دیکھے دیلے دیلے   سب رُخ کریما پیو ملے

ایک اور دکنی منظوم شجرہ سنہ۱۱۳۶ھ میں لکھا گیا ہے اس کا لکھنے والا منصف کوئی شاعر ہے۔ وہ شمس العشاق کو قطب الآفاق کہتا ہے۔ شعر ملاحظہ ہو:[1]

خلافت انوں سے شمس العشاق کوں
مرحمت کئے قطب الآفاق کوں

ان مختلف شاعروں نے میراں جی کو جو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے اس سے میراں جی کی عظمت و شہرت کا پتہ چلتا ہے۔ ان دیگر شاعروں کے علاوہ حضرت برہان الدین جانم نے اپنی مثنوی "ارشاد نامہ" میں حمد و نعت کے بعد اپنے والد و مرشد حضرت میراں جی شمس العشاق کی مدح کی ہے جو تیس ابیات پر مشتمل ہے۔ جملہ ابیات درج ذیل ہیں:

---

[1] شجرۂ منظوم۔ منصف۔ قلمی۔ کتب خانہ درگاہِ حضرت ہاشم پیرؒ۔ بیجاپور۔

صفت کروں کچھ اپنا پیر — جس تھے روشن ہوئے ضمیر
جن منجہ لیتا کر اپدیش — باریں اس جگ لیوں گو بیس
دھوں جگ میں منجہ میت وہی — سمروں ہے من نیت وہی
تس کوں سمریں تن من شاد — جس کا آہے منجہ پرساد
جگ میں آہے توں ہیں رتن — ہردے میں لے کروں جتن
راکھیا کو ندن کر اس ٹھانوں — تل تل سمروں ہے اس ناوں
پیر میراں جی شمس العشاق — دھوں جگ رب تجہ کیا کشاف
آہے تری یہ بنیاد — چشتیاں کیرا ہے خانواد
جس کو آہیں اندر چشت — آکھیں ان کوں اہلِ بہشت
پیر وہی منجہ ہے مرشد — نت بکھانے ان توحید
سن تیں کھولیں دل کے پاٹ — روشن ہوئے حقیقت باٹ
شریعت میں تو وہ رہ راس — راہِ حقیقت اس کے پاس
اس گھر آچھے کیا دلوا — وہ کیوں لیے باج سیوا
اس کے پاس کا گیان انجن — بھاگوں کوئی یک پاوے دھن
پائل کیرے لوڑے چک — جے وہ سادھے جا دے لک
پریں کانوں کو دھرے — لوہا کنچن بھیس بھرے
سیوک دھرے کیتا دان — گیان سخاوت اس پر مان
اور جے مانگے اس کے دار — اس تیں کھولیں گیان بھنڈار
جیسے سمندر کیری کھان — کیا کچھ آہے موتیوں دان
لوڑے غواصی کیرے بھیٹ — تب وہ راکھے سب سمیٹ
جے کوئی آہیں دل قابل — تل میں انپڑیں واصل
لوڑے ارادت اوسے خدا — جے وہ آپیں ہوئے جدا
کلجوگ ما ہنیں تو نہیں لول — بھاگوں چرنوں ہوا اوّل

کچھ تھے دے او نچے بھاگ — سیوک ہو کر رہیا لاگ
اتنا مانگوں میری آس — جی جم رہنے تیرے پاس
سگِ اصحاب جون کے بھاگ — تیوں منجہ اس چرنوں لاگ
درشٹ کیجے منجہ کر پا — آدھیر راکھیں آپ ستا
منجہ میں ناہیں ایسا کار — جے کچھ خالق کے دربار
جے کچھ میں بھی ہوں قبول — غفلت ساری جاوے بھول
اب منجہ آسا ترے کرم — منجہ چھنکا دوھوں جرم[1]

شاہ میراں جی کی ہستی حقیقت میں اپنے عہد کی بڑی برگزیدہ ہستی تھی — میراں جی سے دکن کی سرزمین میں صرف روحانی فیض ہی عام نہیں ہوا بلکہ اُردو زبان و ادب کو بھی فروغ نصیب ہوا۔ مولوی ڈاکٹر عبدالحق صاحب کا خیال تو یہ ہے کہ دکن میں اُردو کا نشو و نما انھیں کے روحانی فیض کی بدولت تھا۔ چنانچہ مولوی صاحب لکھتے ہیں :

"میراں جی بڑے بابرکت بزرگ تھے۔ انھوں نے بیجاپور میں ایک ایسے خاندان کی بنیاد ڈالی جس میں ان کے جانشین یکے بعد دیگرے بڑے صاحب علم اور صاحب ذوق ہوئے اور انھوں نے اسی کو اپنی زبان سمجھا اور اسی زبان میں سلوک و معرفت پر متعدد رسالے اور نظمیں لکھیں۔ اسی خاندان کے مریدوں اور معتقدوں نے بھی اپنے مرشدوں کی پیروی میں اسی زبان کو اپنی تصنیف و تالیف کا ذریعہ بنایا یہ اسی خاندان کا اثر تھا کہ بیجاپور میں زبان کو اس قدر فروغ حاصل ہوا اور وہاں ایسے خوش بیاں اور بلند خیال شاعر پیدا ہوئے جن کی نظیر اُردو کے شاعروں میں بہت کم ملتی ہے۔"[2]

---

[1] ارشاد نامہ من تصنیف شاہ برہان الدین جانم، مرتبہ مولوی اکبر الدین صدیقی صاحب ص ۱۳۲ تا ۱۳۴
[2] اُردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام، مولوی عبدالحق، طبع اول ص ۵۔

فارسی تصانیف

میراں جی شمس العشاق نے نہ صرف دکنی زبان کو اپنی تصنیف و تالیف کا ذریعہ بنایا بلکہ انھوں نے فارسی زبان میں بھی اشہبِ قلم دوڑایا ہے۔ اگرچہ ان کی فارسی تصانیف کا ذکر کسی تاریخ یا تذکرہ میں نہیں ملتا حتیٰ کہ حامد حسن قادری صاحب نے "داستان تاریخ اُردو" میں لکھا ہے کہ ان کی تمام تصانیف اُردو نظم و نثر میں ہیں۔ لیکن بیجاپور کے کتب خانہ درگاہ حضرت امین الدین علی اعلیٰ میں راقم الحروف کو تین فارسی تصانیف کا پتہ چلا ہے، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) کلید الکنج مفتاح الکنوز (۲) اسرار الوحدت

(۳) دُرۃُ التاج

ان تین فارسی تصانیف کے علاوہ ایک اور تصنیف کا قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد میں ہے جس کا نام ... (۴) معراج السالکین ہے۔

دکنی تصانیف

میراں جی شمس العشاق کے دکنی منظوم رسالے اس وقت مختلف کتب خانوں میں محفوظ ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا کلام بیحد مقبول تھا اور دُور دُور تک ان کی نقلیں پہنچ گئی تھیں۔ ان منظوم رسالوں کے علاوہ شاہ میراں جی کے نام سے چند نثری رسالے بھی منسوب ہیں جن کا سطورِ ذیل میں جائزہ لیا جاتا ہے:

گلباس اور جل ترنگ حکیم سید شمس اللہ قادری صاحب نے "اُردوئے قدیم" میں ان دونوں نثری رسالوں کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"حضرت میراں جی شمس العشاق نے نثر اُردو میں کئی رسالے لکھے ہیں منجملہ ان کے دو رسالے ہم نے بھی دیکھے ہیں۔ ایک کا نام جل ترنگ اور دُوسرے کا "گلباس" ہے۔ یہ چھوٹے چھوٹے رسالے ہیں۔ اور شاہ صاحب نے اُن میں تصوف کے اسرار و نکات تمثیل

کے پیرائے میں بیان کیے ہیں"۔ [1]

راقم الحروف کو تلاش کے باوجود اس کا کوئی نسخہ نہیں مل سکا۔ ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ نے "اُردو نثر کا آغاز و ارتقاء" میں بجا طور پر لکھا ہے:

"پتہ نہیں حکیم صاحب کو یہ رسالے کہاں دیکھنے کو ملے تھے، انھوں نے اس کا کچھ پتہ نہیں بتایا!" [2]

حامد حسن قادری صاحب بھی "داستان تاریخ اُردو" میں لکھتے ہیں:

"تصانیف نثر میں سے "شرح مرغوب القلوب" "جل ترنگ" اور "گلباس" قلمی موجود ہیں"۔ [3]

لیکن قادری صاحب نے اپنے ماخذ کا حوالہ نہیں دیا ہے۔ قیاس اغلب یہ ہے کہ انھوں نے مؤلف "اُردوئے قدیم" ہی کے بیان کی بنیاد پر لکھا ہے۔ ڈاکٹر نذیر احمد نے "علی گڑھ تاریخ ادب" میں لکھا ہے:

"میراں جی نے نثر کے بھی کئی رسالے لکھے ہیں۔ ان میں دو یعنی "گلباس" اور "جل ترنگ" کے صرف نام ملتے ہیں۔ مؤلف "اُردوئے قدیم" نے ان دونوں کو دیکھا تھا"۔ [4]

چونکہ ڈاکٹر صاحب نے یہ بات حکیم صاحب ہی کے حوالہ سے لکھی ہے اور حکیم سید شمس اللہ قادری صاحب نے ان رسالوں کا نمونہ بھی نہیں دیا ہے، نیز یہ کہ کسی بھی کتب خانہ میں میراں جی سے منسوب ان نثری رسالوں کا پتہ نہیں چلتا ہے۔ اس لیے یہ بات شک و شبہ سے خالی نہیں ہے کہ یہ نثری رسالے میراں جی ہی کے ہیں۔

۱؎ اُردوئے قدیم: حکیم شمس اللہ قادری۔ ص ۱۰۸

۲؎ اُردو نثر کا آغاز و ارتقاء: ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ ص ۱۴۷

۳؎ داستان تاریخ اُردو: حامد حسن قادری

۴؎ علی گڑھ تاریخ ادب اُردو۔ ص ۲۱۵

سب رس

سالار جنگ کے کتب خانہ میں ایک مخطوطہ "سب رس" نام کا محفوظ ہے اور نصیر الدین ہاشمی صاحب نے اس کو میراں جی شمس العشاق کی تصنیف قرار دیا ہے۔ اس مخطوطہ کے آغاز پر حسب ذیل عبارت درج ہے:

"کلام میراں جی شمس العشاق کہ کلام شاہ وجیہہ الدین بزبان دکنی ترجمہ نمودہ اند و سب رس نام کردہ اند۔"[1]

اس عبارت سے بظاہر اس مخطوطے کا نام "سب رس" اور مترجم کا نام شمس العشاق قرار پاتا ہے۔ اس مخطوطہ کا ترقیمہ درج ذیل ہے:

"تمت الکتاب بعون ملک الوہاب المسمٰی بہ سب رس تصنیف میراں جی شمس العشاق . . . ."

یہ نسخہ قدیم ہے۔ ۱۱۱۸ھ م ۱۷۰۶ء میں ریاض اللہ حسینی نے خدیجہ بیگم کی فرمائش پر اس کی کتابت کی تھی لیکن "علی گڈھ تاریخ ادب اُردو" میں ڈاکٹر نذیر احمد لکھتے ہیں:

"گمان غالب یہ ہے کہ یہ نسخہ وہی ہے جو تاج الحقائق کے عنوان سے وجہی کی طرف منسوب ہے۔"[2]

ڈاکٹر صاحب اس قیاس کی تائید میں حسب ذیل اُمور پیش کرتے ہیں:

۱۔ ابتدائی عبارت وہی ہے جو "تاج الحقائق" کی ہے۔ سید ابصار علی شاہ حسینی نے تاج الحقائق کے دکنی الفاظ بدل کر پوری کتاب معیاری اُردو میں منتقل کر دی ہے اس کی ابتدائی عبارت بھی وہی ہے جو سالار جنگ کے مفروضہ "سب رس" کی ہے۔ سید ابصار علی شاہ نے اس کتاب کو وجہی کی تصنیف قرار دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"یہ کتاب حضرت مولانا وجیہہ الدین صاحب نے دکنی زبان میں تصنیف کی تھی۔ سو اس کے کئی الفاظ دکنی زبان کے کئی صاحبوں کی سمجھ میں برابر نہیں آتے ہیں۔ سو اس حقیر فقیر نے مدد سے بزرگوں کی اس رسالۂ دکنی کو ہندی زبان

---

[1] مخطوطہ نمبر ۱۲۴، کتب خانہ نواب سالار جنگ، حیدر آباد
[2] علی گڈھ تاریخ ادب اُردو۔ ص ۲۱۸

میں جو محاورۂ خاص و عام ہے لکھا۔"

۲۔ وجہی کی تاج الحقائق کے تین دوسرے عنوان بھی زیر غور رسالے میں مذکور ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کاتب کو کسی وجہ سے غلط فہمی ہو گئی اور اس نے مصنف اور عنوانِ کتاب دونوں کو غلط لکھ دیا۔

۳۔ اس رسالے کی زبان اور طرزِ بیان دونوں "سب رس" مصنفہ وجہی سے ملتی جلتی ہے۔ وجہی نے "سب رس" میں بڑے شد و مد سے یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ ڈھنگ اسی کا ایجاد کردہ ہے۔ یہ دعویٰ زیر نظر رسالے میں بھی برابر کیا گیا ہے

ڈاکٹر عبد الحق کے پاس تاج الحقائق کا ایک نسخہ ہے۔ اُنھوں نے "تاج الحقائق" اور "سب رس" کے مطالب کی یکسانیت کا ذکر اس طرح کیا ہے:

"تاج الحقائق۔ یہ بھی نثر میں ہے اور اس میں اخلاق و تصوف پر بعض بحثیں ہیں اور سب رس کے بعض مقامات سے جہاں اس نے اس قسم کی بحثیں چھیڑ دی ہیں بہت ملتے جلتے ہیں۔"

۴۔ ڈاکٹر زور نے سالار جنگ کے اس نسخہ کو وجہی کی تاج الحقائق قرار دے کر کچھ حصہ چھاپ دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"اس کا ایک نسخہ سالار جنگ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ اس کا ایک نسخہ غالباً مولوی عبد الحق صاحب کے پاس بھی ہے اور ایک اور عمدہ نسخہ قطب شاہی عہد کا لکھا ہوا میرے ایک شاگرد غفور احمد مجددی کے یہاں پندرہ سال قبل موجود تھا۔"

۵۔ بمبئی یونیورسٹی کے کتب خانہ میں ایک نسخہ اور کچھ اجزا رآصفیہ میں بھی موجود ہیں۔

سخاوت مرزا صاحب کا خیال ہے کہ ان کی زبان سب رس سے ملتی جلتی ہے اس لئے اس کو وجہی کی تصنیف سمجھنا چاہئے۔ شمس العشاق کی زبان اتنی رواں نہیں ہو سکتی، چنانچہ ڈاکٹر نذیر احمد لکھتے ہیں:

"ان قرائن کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ زیر نظر رسالے کا مؤلف وجہی ہی ہے

میراں جی شمس العشاق کی یہ تصنیف نہیں۔ بظاہر مولانا وجیہہ الدین کی "سب رس" کی وجہ سے اس کے کاتب کو غلط فہمی ہوئی ہوگی اور اس نے اس رسالے کو "سب رس" کا ترجمہ سمجھ کر اس کا نام بھی "سب رس" رکھ دیا ہوگا۔ نصیر الدین ہاشمی صاحب نے "وضاحتی فہرست" میں اس اختلاف کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اور اس کو میراں جی ہی کی تالیف قرار دیا ہے۔"

نسخے کے سرنامہ پر یہ عبارت درج ہے:

"کلام میراں جی شمس العشاق:"

آغاز اس طرح ہوتا ہے:

اللّٰھم و صلّ علیٰ محمد۔ جنو کی بات خدا کی بات میں سند۔ کتاب تاج الحقائق سراج الحقائق، معراج الحقائق۔ جن کتاب کو مطالعہ کرنے خدا بیگ پایا جائے عشق سر دہے، عشق خلاصۂ موجودات ہے، عشق صاحب کائنات ہے، جان بی عشق ہے وہ عشق کی بات ہے۔ . . . راگ عشق کا راز، ریختہ عشق کا راحت، کینا عشق کی جھکور، خوشبوبی عشق باس، حُسن عشق کا رس، سات گنج تے جو کوئی مرکر او عشق نئیں بلکہ آدم نئیں وہ بلا توبہ استغفر اللہ جکوئی اس دنیا میں یو سات . . . . خوش نئیں کنا اس جھونا میل ہے تا لائق مرے تو خوب ہے۔

جو کوئی عاشق کوں اس سات چیز تے منع کرے خدائے تعالیٰ اس دنیا میں اسے فنا کرے خوبصورت دیکھ۔ راگ سیں ریجھ، خوش لوبی خوش کر، کیف کہانی پرواچہ اور شعر پر خدا کوں بہوت یاد کر، محبت پدارا اپنے کام میں مشغول رہ۔ کس سوں نکو چیکر یاں آرام یاں کام یاں مال یا دھال یو گھر میں باقی جو کچھ دیکھے گا سُنے گا سو درد سر ہے۔

مشاہدے مراقبے میں پر کینا سیر طیر میں توں ہی رہے گا۔ اس زمانے میں کشف و کرامات کیسے ہوا جو تجھے ہووے گا یو جو کیمیا کریگا۔ رہند ائیں

ہوتا اور ہو آپیچہ کا دل بر آتا ہے۔ سیدھی بات پکڑ گھر کو آنوں کوں زبان میں کائی کوں جانا . . . "

ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ نے "اُردو نثر کا آغاز و ارتقاء" میں "سب رس" کے تعلق سے تفصیلی بحث کی ہے اور اس کو شاہ وجیہہ الدین گجراتی کی تصنیف قرار دیا ہے۔ ان کی بحث کا اقتباس دینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ وہ لکھتی ہیں:

"میراں جی کی اس تصنیف "سب رس" کا ذکر ڈاکٹر زور کی تصنیف کے علاوہ کسی اور جگہ نہیں ملتا۔ ڈاکٹر زور نے اس کو میراں جی کی نثری تصانیف میں شامل کیا ہے . . . . حامد حسن قادری نے بھی "داستان تاریخ اُردو" میں غالباً مصنف "اُردو شہ پارے" ہی سے اس کتاب کے بارے میں معلومات حاصل کی ہیں کیونکہ انھوں نے انہی تفصیلات کو درج کیا ہے جو "اُردو شہ پارے" میں موجود ہیں؟"[1]

ڈاکٹر رفیعہ لکھتی ہیں:

"مجھے سب رس کا جو نسخہ کتب خانہ سالار جنگ میں دستیاب ہوا ہے وہ خاصہ ضخیم ہے۔ یہ مخطوطہ (۳۱۶) صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے آخر میں ایک ترقیمہ ہے جس سے اس کتاب کی تصنیف کے سلسلہ میں روشنی پڑتی ہے۔"

ترقیمہ حسب ذیل ہے:

"المسمّٰی بہ "سب رس" تصنیف شاہ میراں جی شمسُ العشاق فرمودہ، عصمت بلقیس زماں مریم زمانی خدیجہ سلطانہ۔"

ڈاکٹر زور نے بھی "سب رس" سے ذیل کا اقتباس دیا ہے۔

"جکوئی عاشق کو اس سات چیز تے منع کرے خدا تعالےٰ اسے دنیا سوں فنا کرے خوبصورت دیکہ لاک میں ریجہ خوشبوئی خوش کہ کیف کیا بے پروا

---

[1] "اُردو نثر کا آغاز و ارتقاء"۔ ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ ص ۱۴۰۔

چہ شعر بر خدا کوں بہوت یاد کر محبت سوں بدھا اپنے کام میں مشغول
رہ کس موں نکو چیکریاں آرام یاں کام یاں وصال یاں بو کھرے بالے
جو کچھ تو دیکھے گا سو نیگا سو سب درد سر ہے۔"[1]

پروفیسر عبدالقادر سرفراز نے بمبئی یونیورسٹی کی فہرست مخطوطات مرتب کی تھی۔ اس میں وجہی (مصنف سب رس) سے ایک اور تصنیف "تاج الحقائق" منسوب کی ہے[2] اور اس کا اقتباس بھی دیا ہے اور یہ اقتباس "سب رس" مخطوطہ سالار جنگ ہی کا ایک حصہ ہے۔ فہرست میں حسب ذیل اقتباس منقول ہے:

"کلام مولانا وجیہہ الدین اللھم صل علی محمد تاج الحقائق معراج الحقائق، سراج الحقائق کتاب کو مطالعہ کرلی تھی۔"

اس کے علاوہ تاج الحقائق کی جو خصوصیات فہرست میں بیان کی گئی ہیں وہ سب اس سب رس میں موجود ہیں۔ سرفراز صاحب لکھتے ہیں۔

"یہ دکنی زبان میں ایک نثری تصنیف ہے جو انسان کے اخلاقی اور روحانی مسائل سے بحث کرتی ہے اس کے مصنف وجیہہ الدین سب رس کے مشہور مصنف ہیں۔"

خصوصیت جو انھوں نے بتائی ہے یہ ہے کہ اس کے ابواب "ارے طالب" سے شروع ہوتے ہیں جو "سب رس" کی بھی خصوصیت ہے۔

ان تمام چیزوں کا حوالہ دیتے ہوئے ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ لکھتی ہیں:

"اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کتاب تاج الحقائق کے نام سے کیسے موسوم ہوئی اور وجہی کے نام سے کیسے منسوب ہوئی۔ ایک بات تو یہ سمجھ میں آتی ہے کہ "سب رس" کے نام کی وجہ سے یہ کسی مرحلے میں وجہی کے نام سے منسوب کردی گئی۔ کیونکہ وجہی کی ایک کتاب "سب رس" نامی موجود

---

[1] اُردو شہ پارے۔ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور، ص ۳۲۱
[2] فہرست مخطوطات بمبئی یونیورسٹی۔

ہے۔ اس طرح اس کتاب اور اس کے مصنف کے بارے میں کافی غلط فہمیاں پیدا ہوگئی ہیں۔ اس میں مزید اضافہ اس طرح بھی ہوگیا کہ اسی "سب رس" کو "تاج الحقائق" کے نام سے مجلس دکنی مخطوطات حیدرآباد کی طرف سے شائع کیا جارہا ہے اور غالباً اسے ڈاکٹر زور نے مرتب کیا ہے۔ اس کے (۴۸) مطبوعہ صفحات مجھے بڑی کوشش کے بعد دستیاب ہوئے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ یہی "سب رس" ہے۔ آغاز سے لے کر ۴۸ صفحات تک عبارت لفظ بہ لفظ ایک ہی ہے۔ اس لئے اس کے نام اور مصنف دونوں کے بارے میں کافی شبہات کی گنجائش پیدا ہوگئی ہے مثلاً یہ کہ:

(۱) آیا اس کتاب کا نام سب رس ہے یا تاج الحقائق؟
(۲) اس کتاب کے مصنف میراں جی شمس العشاق ہیں یا وجہی یا کوئی اور؟"

اس کے بعد ڈاکٹر رفیعہ لکھتی ہیں:

"ڈاکٹر زور کے اُردو شہ پارے کے بیان کے مطابق یہ "سب رس" ہے اور شاہ میراں جی کی تصنیف ہے جس کے بارے میں انھوں نے لکھا ہے کہ یہ وجیہہ الدین کی کسی تصنیف کا ترجمہ ہے۔ مجلس مخطوطات کی زیرِ طبع کتاب میں اس کا مطبوعہ نام تو ظاہر نہ ہوسکا لیکن مطبوعہ صفحات کے سرنامے پر سُرخی سے "تاج الحقائق" لکھا ہے۔"

اس طرح اس ایک ہی کتاب کے بارے میں اتنی غلط فہمیاں پیدا ہوگئی ہیں کہ یہ سب رس بھی ہے اور تاج الحقائق بھی۔ نیز یہ میراں جی کی تصنیف بھی ہے اور وجہی مصنفِ سب رس کی بھی۔

ظاہر ہے کہ ایک ہی کتاب کے دو نام نہیں ہوسکتے اور ایک ہی کتاب کے دو مصنف ہیں جن کے زمانے میں تقریباً ایک سو سال کا فرق ہے۔ اس لئے ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ لکھتی ہیں:

"واقعہ یہ ہے کہ یہ نہ تو سب رس ہے اور نہ ہی وجہی کی تصنیف۔ اس طرح اسے شاہ میراں جی سے بھی کوئی تعلق نہیں بلکہ میرا قیاس یہ ہے کہ یہ تاج الحقائق

ہے اور شاہ وجیہہ الدین (۹۱۰ھ/۹۹۸ھ) اس کے مصنف ہیں۔

ڈاکٹر رفیعہ اس قیاس کے اسباب حسب ذیل بتلاتی ہیں:

(۱) سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ شاہ میراں جی کی "سب رس" کا کسی نے سوائے ڈاکٹر زور کے تذکرہ نہیں کیا اور مجلس دکنی مخطوطات کی زیر طبع "تاج الحقائق" کا جو ذکر کیا گیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعد میں ڈاکٹر زور کا خیال کتاب کے بارے میں بدل گیا اور تاج الحقائق کے نام سے موسوم کیا ہے حالانکہ "اُردو شہ پارے" میں اسی کتاب کا اقتباس وہ سب رس کے نام سے دے چکے تھے۔

(۲) اس غلط فہمی میں قطع نظر اس سے کہ "سب رس" نام کی وجہ سے وجہی کا نام بھی آگیا ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید کتب خانہ سالار جنگ کے نسخے کے سرنامے کی یا اسی طرح کی کسی اور عبارت سے یہ غلط فہمی پیدا ہوئی۔ چنانچہ کتب خانہ سالار جنگ کے مخطوطے کے سرنامہ کی جو عبارت ہے وہ کافی مبہم ہے۔

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ "سب رس" میراں جی کا کلام ہے جس کا وجیہہ الدین کے کلام سے دکنی زبان ترجمہ کیا گیا ہے اور "سب رس" نام رکھا گیا ہے۔ یہ عبارت نہ تو جزو کتاب ہے نہ اس کی اہمیت ترقیمہ کی سی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے شاہ وجیہہ الدین کے کلام کو وجیہہ کے جز، کی مناسبت کی وجہ سے وجہی سمجھ لیا اور چونکہ وجہی کی تصنیف "سب رس" ہے اس لئے اس کا نام بھی "سب رس" رکھ دیا۔ "سب رس" نام کا پتہ سوائے الحاقی عبارت کے متن کتاب سے کہیں نہیں چلتا۔ حالانکہ وجہی مصنف سب رس نے سب رس کے نام کا تذکرہ سبب تالیف کے سلسلہ میں واضح طور پر کر دیا ہے۔

التباس کا ایک اور سبب یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وجیہہ الدین کا لقب بھی میاں جی تھا۔ میاں جی اور میراں جی میں التباس کی جو گنجائش ہے وہ واضح ہے۔ شمس العشاق کا الحاق لکھنے والے کی طرف سے میاں جی کو میراں جی پڑھ کر ہوا ہے۔ اسی مناسبت سے "ایجاد بندہ" کی حیثیت رکھتا ہے۔

کتاب کے سرنامہ پر جو عبارت درج ہے اس میں وجیہہ الدین کا کلام ہونے کی صراحت

ہے جس کے بارے میں التباس کی گنجائش نہیں۔

وجیہہ الدین کا لقب بھی میاں جی تھا جسے بعض اوقات میراں جی بھی کہا گیا ہے۔ اس لئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کاتب نے شمس العشاق اور وجیہہ الدین میراں جی میں فرق نہ کر سکنے کی وجہ سے میراں جی کے ساتھ جو لقب شمس العشاق مشہور تھا احتراماً بڑھا دیا۔

کتاب "سب رس" کے آغاز کی عبارت سے کتاب کے نام "تاج الحقائق" کا پتہ چلتا ہے۔ میراں جی شمس العشاق کی تصانیف "خوش نامہ" "خوش نغز" یا اسی دور کے بعض دوسرے مصنفین کی کتابوں کے ناموں میں مشابہت کے التزام کے نمونے پر، وجیہہ الدین کی تصانیف کے ناموں "بحر الحقائق" اور "تاج الحقائق" کی مناسبت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

ترقیمہ میں لفظ فرمودہ بہت بامعنی لفظ ہے۔ کیونکہ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اس کتاب کی تصنیف خدیجہ سلطانہ کی فرمائش پر ہوئی تھی۔ خدیجہ سلطانہ نام کی دو خواتین بیجاپور میں گذری ہیں:

(۱) خدیجہ سلطانہ حیات بخشی بیگم اور محمد قطب شاہ کی بیٹی عبداللہ قطب شاہ کی بہن اور محمد عادل شاہ (۱۰۳۳ھ تا ۱۰۶۷ھ) کی بیوی تھی۔

(۲) خدیجہ سلطانہ ابراہیم عادل شاہ (۹۴۱ھ تا ۹۶۵ھ) کی بہن اور میراں حسین نظام شاہ (۹۹۶ھ) کی بیوی تھی۔ قیاس یہ ہے کہ ان دوسری خدیجہ سلطانہ کی فرمائش پر "تاج الحقائق" لکھی گئی تھی۔

خدیجہ سلطانہ کی زندگی کا بیشتر حصہ احمد آباد میں گزرا اور وجیہہ الدین کا وطن بھی احمد آباد ہی تھا۔ خدیجہ سلطانہ کو علم و ادب سے دلچسپی عادل شاہی خاندان سے ورثہ میں ملی تھی۔ اس لئے غالباً شاہ وجیہہ الدین نے شاہ میراں جی شمس العشاق کی بعض کتابوں کی طرح جو خاص طور پر خواتین کو احکام سکھانے کے لئے لکھی گئی تھیں اس خاتون کے لئے یہ کتاب لکھی ہوگی اور اگر خود تصنیف نہ بھی کی ہوتی تو یہ یقینی ہے کہ اس کے استفادہ کے لئے یہ کتاب لکھوائی گئی۔

اس ساری بحث کا ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ یہ نتیجہ نکالتی ہیں کہ :

" ایک بات تو بالکل واضح ہے کہ علماء نے " سب رس " اور تاج الحقائق " کو جو دو علٰحدہ علٰحدہ کتابیں بتایا ہے وہ صحیح نہیں بلکہ اس کا نام تاج الحقائق ہے اور یہ شاہ وجیہہ الدین گجراتی کی تصنیف ہے ۔ "

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جہاں " علی گڑھ تاریخ ادب اُردو " میں ڈاکٹر نذیر احمد اس خیال کا اظہار کرتے ہیں کہ " سب رس " زیر بحث شمس العشاق کی نہیں بلکہ وجہی کی تصنیف ہے وہیں ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ قطعیت کے ساتھ اس کو وجیہہ الدین علوی گجراتی (۹۱۱ تا ۹۹۸ھ) کی تصنیف قرار دیتی ہیں ۔

" سب رس " کا جو نسخہ کتب خانہ سالار جنگ میں ہے ، راقم الحروف نے اس کو شروع سے آخر تک دیکھا ۔ یہ عام مذہبی رسائل سے مختلف ہے ۔ اس کی زبان میں صفائی اور رنگینی ہے اور اس کے اسلوب میں ندرت اور شان پائی جاتی ہے ۔ میرا خیال ہے کہ ۹۹۸ھ سے قبل کی زبان اتنی رواں نہیں ہو سکتی ۔

حال ہی میں ڈاکٹر نور السعید اختر نے تاج الحقائق کو مرتب کر کے شائع کیا ہے ۔ ان کی تحقیق کی رُو سے تاج الحقائق وجہی کی تصنیف ہے ۔

بہرحال یہ بات تو مسلمہ ہے کہ " سب رس " میراں جی شمس العشاق کی تصنیف نہیں ہے بلکہ اس کا لکھنے والا کوئی اور ہی ہے ۔

شرح مرغوب القلوب

اس نثر کے رسالے میں ایک فارسی مثنوی " مرغوب القلوب " کی شرح کی گئی ہے ۔ یہ فارسی مثنوی متعدد بار چھپ چکی ہے اور جس کے نسخے بھی عام طور پر ملتے ہیں ۔ شمس تبریز کی طرف منسوب ہے لیکن ڈاکٹر نذیر احمد لکھتے ہیں :

" اس مثنوی کی ایک بیت میں سال تکمیل ۷۵۷ھ لفظوں میں آیا ہے ۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ مثنوی شمس تبریز کی نہیں ہو سکتی ۔ کیونکہ شمس تبریز ۶۴۵ھ کے بعد غائب ہو گئے ہیں ، اور اس وقت ان کی عمر ۶۲ سال کی تھی ۔

یہ کیسے ممکن ہے کہ اس کے ۱۱۲ سال کے بعد اُن کے نام سے کوئی نظم منسوب کی جائے ۔ مولانا روم کا انتقال بھی ۶۷۲ھ میں یعنی اس مثنوی کی تکمیل سے ۸۵ سال پہلے ہی ہو چکا تھا ۔ یہ بات قابلِ لحاظ ہے متن میں شمس تبریز کا تخلّص کہیں نہیں آتا ۔ اس لئے یہ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اس کے مصنف شمس تبریز نہیں ہیں ۔ " [1]

اس مثنوی میں جملہ دس ابواب ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے :

(۱) توبہ (۲) شناختن روح (۳) نماز و وضو (۴) ترکِ دنیا
(۵) تجرید و تفرید (۶) سخن معرفت (۷) عشق و محبت
(۸) معشوق (۹) فنا و بقا (۱۰) سفر

اسی نام کا ایک نثری رسالہ دکنی زبان میں ہے جس کا ایک نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں ہے [2] اور دوسرا نسخہ کتب خانہ جامعہ عثمانیہ کے ایک مجموعہ رسائل میں میراں جی خدا نما کے رسالہ وجودیہ سے پہلے ہے [3] اس رسالہ میں بھی وہی دس ابواب ہیں جو منظوم فارسی رسالے میں ہیں :

(۱) پہلا باب توبہ میں ۔ (۲) پچھانت کرنا نفس ، دل ، روح ، سر ، نور ، ذاتِ شریعت (۳) تیسرا باب وضو کا (۴) چوتھا باب دنیا کا ترک کرنا ۔
(۵) پانچواں باب تجرید و تفرید (۶) چھٹا باب ، اپنی پچھانت ۔
(۷) ساتواں باب ، کشف کا ۔ (۸) آٹھواں باب ، معشوق کا یاد کرنا ۔
(۹) نواں باب ، بقا ہونے کا ۔ (۱۰) دسواں باب ، سفر کا

" قدیم اُردو " میں مولوی عبدالحق صاحب لکھتے ہیں کہ ان کے پاس بھی اس کے دو نسخے ہیں ۔ مولوی صاحب نے اس نثر کے جو نمونے اور ابواب کی جو تفصیل دی ہے اس میں

---

[1] علی گڑھ تاریخ ادب ، ص ۲۱۶

[2] کتب خانہ آصفیہ مخطوط نمبر ۶۱۲

[3] کتب خانہ جامعہ عثمانیہ مخطوط نمبر ۶۱ / ۲۹۷

اور جامعہ عثمانیہ و آصفیہ کے نسخوں میں بظاہر کوئی فرق نہیں ہے۔ مولوی عبدالحق صاحب کا خیال ہے کہ یہ شمس العشاق شاہ میراں جی کی تصنیف ہے لیکن حکیم سید شمس اللہ قادری صاحب نے مولوی صاحب سے اختلاف کرتے ہوئے اس کو میراں جی خدا نما کی تصنیف قرار دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"ہمارے مخدوم مولانا عبدالحق صاحب نے اسے حضرت میراں جی شمس العشاق کی تصنیف بتایا ہے جن کا سنہ ۹۰۲ھ میں انتقال ہوا ہے۔ اس کا ایک نسخہ ہم نے ڈاکٹر محمد قاسم ماہر سکمیات کے کتب خانہ میں دیکھا ہے۔ اس کے خاتمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت میراں جی خدا نما کی تصنیف ہے۔ یہ بزرگ عبداللہ قطب شاہ کے معاصر تھے، ۱۰۷۰ھ میں فوت ہوئے ہیں۔ انھوں نے تمہیدات ہمدانی کی شرح بھی لکھی ہے۔"

شمس اللہ قادری صاحب نے بطورِ نمونہ اس رسالہ کی عبارت بھی دی ہے۔ کتب خانہ آصفیہ اور کتب خانہ جامعہ عثمانیہ کی شرح مرغوب کے جن نسخوں کا اوپر ذکر کیا گیا ہے ان پر کوئی ترقیمہ نہیں ہے لیکن قادری صاحب نے بطورِ نمونہ جو عبارت دی ہے وہ لفظ بہ لفظ ان رسالوں میں موجود ہے اس لئے یہ وہی شرح مرغوب القلوب ہے جس کا ایک نسخہ حکیم صاحب نے دیکھا تھا۔

ڈاکٹر حفیظ قتیل لکھتے ہیں:

"حکیم صاحب کا مجرد بیان بھی اس شرح کے مصنف کے تعین کے لئے کافی تھا لیکن داخلی شہادت سے بھی اس شرح کا خدا نما کی تصنیف ہونا ثابت ہوتا ہے چنانچہ شرح تمہیدات، اور مرغوب القلوب میں جو آیات و احادیث مشترک ہیں ان کے ترجمہ کی عبارت کم و بیش ایک ہی ہے۔"

تمہیدات: وَتَرَاهُمْ يَنظُرُونَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ: خدا کہیا اے محمد او لوگاں تن سوں تجھے دیکھتے ہیں دے ترے نورانی تن سوں جیسا ہے ویسا نہیں دیکھتے۔

مرغوب القلوب: وَتَرَاهُمْ يَنظُرُونَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ: خدا تعالیٰ کہیا اے محمد صلعم ترے تن کو دیکھتے ہیں لوگاں ولے ترے نورانی تن کو نہیں دیکھتے تو جیسا ہے ویسا۔[1]

رسالہ سبع صفات

رسالہ سبع صفات کا ذکر ڈاکٹر نذیر احمد نے علی گڈھ تاریخ ادب اردو میں کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"یہ پانچ صفحے کا مختصر رسالہ ہے اس کا مخطوطہ انجمن ترقی اردو علی گڈھ کے کتب خانہ میں موجود ہے جس کے سرورق پر صراحتاً میراں جی کا نام لکھا ہے۔"[2]

سالار جنگ کے کتب خانہ میں اس عنوان کا ایک رسالہ میراں جی کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔[3] ڈاکٹر نذیر احمد کا خیال ہے کہ ان دونوں کا ایک ہونا مشتبہ ہے اور اس کے وجوہ ڈاکٹر صاحب یہ بتلاتے ہیں:

۱۔ دونوں کی ابتدا اور خاتمہ کی عبارتیں مختلف ہیں۔

۲۔ سالار جنگ کا نسخہ طویل ہے یعنی ۲۰ صفحوں پر مشتمل ہے جبکہ انجمن کا نسخہ صرف پانچ صفحوں کا ہے۔

۳۔ سالار جنگ کے نسخے کے آغاز کی جو عبارت فہرست میں درج ہے اس میں مصنف کا نام اس طرح آیا ہے: "حضرت حاجی الحرمین شریفین شاہ میراں حسینی ولی اللہ منزوی الجبلین۔"

۴۔ شاہ میراں حسینی ولی اللہ، میراں جی شمس العشاق سے الگ شخص معلوم ہوتے ہیں۔

"وضاحتی فہرست" کے معترض نے بھی دونوں مصنفوں کے ایک ہونے پر شبہ ظاہر کیا ہے۔

رسالہ سبع صفات، مرات الانسان اور خلاصۃ الرویت کے نام سے بھی معروف رہا ہے۔ ڈاکٹر حسینی شاہد نے خلاصۃ الرویت کے دو نسخوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک کتب خانہ آصفیہ کا نسخہ اور دوسرا کتب خانہ نواب سالار جنگ کا،[4] لیکن راقم الحروف کو مزید دو نسخوں کا پتہ چلا ہے۔

---

[1] میراں جی خدا نما۔ ڈاکٹر حفیظ قتیل۔ ص ۸۴ و ۸۵۔ – [2] علیگڈھ تاریخ ادبِ اردو۔ ص ۲۱۷
[3] وضاحتی فہرست، ص ۱۷۱ و ۱۷۲ [4] دکنی کی ترقی میں شاہ امین الدین علی اعلیٰ اور ان کے خلفاء کا حصہ۔ مقالہ برائے پی۔ ایچ ڈی۔ ڈاکٹر حسینی شاہد۔

ایک اورینٹل ریسرچ انسٹیٹیوٹ میسور میں ہے اور دوسرا حکیم باقر حسینی صاحب حیدرآباد کی ملکیت ہے۔ سبع صفات، خلاصۃ الرؤیت یا مرات الانسان کے رسالے کے چاروں مذکورہ نسخوں کا تفصیلی جائزہ لینے سے یہ بات صاف طور پر واضح ہوتی ہے کہ مصنف کا نام

۱۔ پہلے نسخہ میں "حاجی الحرمین شاہ عبدالقادر عرف شاہ میراں جیؔ الاوری۔

۲۔ دوسرے نسخہ میں "حاجی الحرمین شریفین شاہ میراں حسینی ولی اللہ منزوی الجبلین۔

۳۔ تیسرے نسخہ میں "حاجی الحرمین شاہ عبدالقادر عرف شاہ میراں جی الاوری۔

۴۔ چوتھے نسخہ میں "حاجی الحرمین شاہ عبدالقادر عرف شاہ میراں حسینی ولی اللہ منزوی الجبلین لکھا ہوا ہے۔ دوسرے اور چوتھے نسخہ میں شاہ میراں حسینی ولی اللہ منزوی الجبلین صاف لکھا ہے۔ چوتھے نسخہ کی اہمیت اس لئے بھی ہے کہ یہ خاندانی نسخہ ہے ان معنی میں کہ یہ نسخہ حکیم باقر حسینی صاحب کی ملکیت ہے اور حکیم صاحب کا تعلق شاہ صدرالدین کے خاندان سے ہے اور شاہ صدرالدین کے والد کا نام شاہ عبدالقادر عرف شاہ میراں حسینی ولی اللہ منزوی الجبلین ہے۔ چونکہ یہ بزرگ پہاڑوں پر رہا کرتے تھے جیسا کہ ان کے فرزند شاہ محمد نے اپنی تصنیف "خزانہ عبادت" میں فرمایا ہے ؎

ہمیشہ رہتے تھے او پہاڑوں میں جان   جنگل ہور بیابان جھاڑوں میں جان[1]

الغرض یہ بات قطعیت کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ رسالۂ سبع صفات غلط طور پر میراں جی شمس العشاق سے منسوب ہے۔ سبع صفات شمس العشاق کی تصنیف نہیں ہے بلکہ اس کے مصنف سید عبدالقادر میراں شاہ ولی اللہ منزوی الجبلین ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ میراں جی شمس العشاق سے منسوب جتنے بھی نثری رسالے ہیں ان میں سے ایک بھی رسالہ ایسا نہیں ہے جس کے متعلق یقین کے ساتھ یہ کہا جاسکے کہ یہ میراں جی شمس العشاق ہی کی تصنیف ہے اس کے برخلاف ان کے منظوم رسالوں کا جہاں تک تعلق ہے وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ "بشارت الذکر" سے قطع نظر ان سے منسوب منظوم رسالے ان ہی کے ہیں۔

---

[1] شاہ صدرالدین کی حیات اور ادبی خدمات" مقالہ برائے پی۔ ایچ ڈی۔ محمد ہاشم علی۔

خوش نامہ

ڈاکٹر عبدالحق نے لکھا ہے کہ ان کے پاس اس کے دو نسخے ہیں اور دونوں نسخے قدیم ہیں۔ سنہ کتابت ۱۰۶۸ھ ہے۔ مثنوی کے طرز کی یہ نظم اس طرح شروع ہوتی ہے:

صفت کروں میں اللہ کیری۔ جے پورن پور   قادر قدرت انگیکار دوں نیڑے نا دور

تا اس روپ نا اس دیکھ نا اس ستھان مکان   نرگن گنوستا کر واکس مکھ کروں بکھان

اس نظم میں جملہ ایک سو ستر (۱۷۰) اشعار ہیں۔ خود نظم کے ایک مصرعہ سے کتاب کا نام اور اشعار کا پتہ چلتا ہے ؎

" اس خوش نامہ دھریا نام دوہا ایک سو ستر"

آخری شعر سے بھی کتاب کا نام "خوش نامہ" ہونے کی مزید توثیق ہوتی ہے:

کھنڈیا خوش خوش نامہ تمت ہوا تمام   خوش سب کوئی دائم قائم جتا خواص عام

اس نظم میں ایک لڑکی سے خطاب ہے جس کا نام "خوش" یا "خوشنودی" ہے۔ لڑکی بھولی بھالی ہے۔ بناؤ سنگار سے نفرت کرتی ہے۔ خدا کی لگن میں لگی ہوئی ہے اور اسی رنگ میں رنگی ہوئی ہے۔ میراں جی نے اس لڑکی کی اس طرح تعریف کی ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ یا تو ان کی عزیزہ ہوگی یا مرید۔ اور ڈاکٹر زورؔ کا خیال ہے کہ "یہ بھی ممکن ہے کہ شاہ صاحب نے ایک فرضی لڑکی کی زندگی بطور نمونہ پیش کی ہو"۔

مولوی اکبرالدین صدیقی صاحب نے "خوشی" کو میراں جی کی صاحبزادی بتلایا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"نسب کے متعلق حضرت میراں جی کی تصنیف "خوش نامہ" کا یہ شعر قابلِ غور ہے۔ دکنی کے سبھی ادیبوں کی نظر سے یہ شعر گذر چکا ہے لیکن غالباً انھیں اس پر غور کرنے کا موقعہ نہ ملا۔ فرماتے ہیں ؎

ذات ماں کی جنتا جانو باپ ترک افشاق   خوشی کی ذات علوی جانو جس تھے نام رزاق

لفظ "ماں" ہے یعنی میری ماں۔ باپ سے مراد ہے باپ یعنی نانا جو ترک قبیلہ کے افشاق سے تھے اور خوشی جن کا نام رزاق تھا وہ علوی تھیں

اس لئے کہ وہ میراں جی کی صاحبزادی تھیں۔ اس کا اشارہ ہمیں آگے ایک شعر میں ملتا ہے ؎

کہیں بیٹا اے شوخ دیدہ سن مجے نیکی پسندہ
سمجک بات اس کر سو کہ لیتیں چھوڑیں لیلنے چھندہ

اس طرح حضرت میراں جی نے اپنی والدہ کے ترک نژاد ہونے اور اپنے علوی ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ "خوش نغز" میں بھی وہ خوشی یا خوش ہی سے مخاطب ہیں۔ ترکی میں ایک قبیلہ افشار تو ہے۔ ممکن ہے کہ یہی اس دور میں افشاق کہلاتا ہو یا حضرت میراں جی نے اس کو رزاق کا ہم قافیہ کر لیا ہو۔

میراں جی نے "خوشی" کا ذکر بڑے پیار سے کیا ہے۔ اس بیان میں خود ان کے دل کی دھڑکنیں صاف سنائی دیتی ہیں اور ہم محسوس کرتے ہیں کہ خوش صرف اُنکی محبوب مرید ہی نہیں تھی بلکہ کوئی اور رشتہ بھی رکھتی تھی۔ اس سلسلہ میں مولوی عبدالحق کا بھی یہ کہنا ہے کہ :

"اس نظم کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خوش یا خوشنودی یا تو ایک فرضی لڑکی ہے یا حضرت کی کوئی عزیز یا بیٹی ہے۔" [2]

ڈاکٹر حسینی شاہد کا بیان ہے کہ "خوشی" حضرت کی بیٹی نہیں سالی تھیں اور حضرت کے گنبد ہی میں دفن ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں :

"راقم الحروف کو درگاہ شریف کے کتب خانہ سے ایک پرانے کاغذ کا پرزہ دستیاب ہوا ہے۔ یہ کاغذ اگر پورا دستیاب ہوتا تو حضرت کے خاندان کے بارے میں کچھ نئی معلومات حاصل ہوتیں، اس لئے کہ اس پر احاطۂ درگاہ کی قبروں کی تفصیل درج تھی، تاہم جو پرزہ راقم الحروف کو ملا ہے اس سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ آپ کے گنبد میں کون کون دفن ہیں؟

[1] ارشاد نامہ مع تصنیف برہان الدین جانم، مرتبہ اکبرالدین صدیقی ص ۱۱، ۱۲۔
[2] مولوی عبدالحق، شاہ میراں جی شمس العشاق۔ اردو۔ اپریل سنہ ۱۹۲۷ء ص ۱۷۳ تا ۱۸۲

یادداشت قبور ہائے اندرون درگاہ شریف در گنبدِ خورد تربت میراں جی شمس العشاق

اہلیہ ایشاں را رابعہ ماں صاحبہ اندرون گنبدِ موصوف ونیز تربت ہمشیرۂ ماں صاحبہ موصوف اند۔ اسم ایشاں خوش بی ماں صاحبہ است۔

برہان الدین جانم قطب الاقطاب اہلیۂ ایشاں اسم شریف ولی بی ماں صاحبہ بیرون گنبد شریف زیرِ گنبد چوکھنڈی است۔

یہی خوش بی ماں صاحبہ ہیں جن کا ذکر بڑے ماں کے نام سے میراں جی نے خوش نامہ میں کیا ہے :

لاڑوں لاڑ چاون چاؤ سب گوتوں کی پیاری ست سنبھالے عین جوائے محبت کی ہماری

اور ان سب کا نسب اس طرح بیان کیا ہے :

ذات ممان کی چغطا جانو باب ترک افشاق
خوشی کی ذات علوی جانوں جس تھے نام رزاق

خوش بی ماں صاحبہ کے ماں باپ میراں جی کے ساس اور سسر ہوئے۔ اس طرح یہ ثابت ہوتا ہے کہ میراں جی کی ننھیال کی طرح سسرال بھی قوم چغطیہ سے تعلق رکھتی تھی۔ بہت ممکن ہے کہ انھوں نے اپنی ننھیال ہی میں شادی کی ہو۔" [1]

میراں جی، خوشی کی جائے وفات شاہ پور اور بوقتِ انتقال اس کی عمر سترہ سال، ایک ماہ، پانچ دن بتاتے ہیں :

برس پانچ اور بارہ کی ایک ماس نو دین، اس کی عمر لکھتیں سب لکھا ہوا اس کہیں
نہاں کیا شاہ پور ماتہیں وہ تو پیارا اتمام پیروں کیرا قول ہوا کہ تجھ سوں ہیں تمام

میراں جی نے اس کے سبھاؤ کا بھی ذکر کیا ہے :

بالی بھولی جیو جھوالی محبت کیرا نور پرم پیاری سات سنگھاتی تلتا ہوئے دور

[1] ڈاکٹر حسینی شاہد۔ میراں جی شمس العشاق۔ نوائے ادب۔ جولائی سنہ ۱۹۷۱ء ص ۱۹، ۲۰۔

جب وہ آئی ات سنار خوشی سو ہوئی تمام — بگوں تب گرو کی لاگی لہیا خوشش کر نام

ہنسا دوفی سوجھ نعینی کو رودن کر کر دی — بھوت ستیاں پن یہ ست عجب کالگ ہاہنس پہری

شہ بولی گنوں کی سب پرت لگاوے یین موہنی — کون بجھانے لکھن اس کے نیایا جاے سوہی

لاڑوں لاڑ چاؤ سب گوتوں کی پیاری — ست سنبھالے عین جھوالے محبت کی ہماری

بناؤ سنگار سے اس کی نفرت اور خدا سے اس کی لگن کا اظہار اس طرح ہوتا ہے

کبھی نہ سیدھی رنگوں بھولوں باس نہ آیا — رنگ نہ رنگیا دنتوں اس کے کھینی نہ ہلدی کایا

کیے منجھ سیر سہاگ، اللہ کا چھیڑ رہیا سہاوا — اب کیوں سر سہاوے دوجا تم کو ناہیں ٹھاوا

اس کے رنگوں رنگی ساڑی دوجا رنگ نہ بانی — اس کے پاس ہم کو باسا پھول پھوکٹ کے آنی

ایسی بات کرے گنونتی مورکھ بوجھیں سدھ — یہی من اپنے آمے چھند سوہی سکھاویں بدھ

جب لوگ اسے بے پروائی کا طعنہ دیتے ہیں تو وہ جواب دیتی ہے کہ ہمیں یہی

رنگ بھاتا ہے اور ہمیں دنیا اور اس کے عیش و آرام سے کچھ کام نہیں ؎

کہیں بیٹا اے شوخ دیدہ سن جی نیکی بندہ — بھوک بلاس کر سوکھ نیں چھوڑیں چھندہ

کہے یہ سب حکم خدا کا جی تم آکھیں یوں — ہم کو بھاوے یک اللہ سو کرے وہ بھاوے تیوں

تا ہم اچھیں سوکھ سنسار تا ہم اچھیں چاؤ — ہم تو راوں لوڑیں اس سوں جے ہے راون راؤ

جے رنگن گنوں کا سب بن گنگوں سو بوجھے اب — پن پاپ سٹ دیکھے آپ شہ سوں میلا ہوئے تب

جیو پچھانے امر خدا کا وہی امر معروف — نہی کال نہیں منکر ناہیں تے پاپی محذوف

راہ خدا کی بوجھ نہ دیکھیں دھاریں چار دل دھیر — ایک چھوڑ جی بھوتوں لاگیں ان کو ناہیں پیر

پیر کی تعریف اور اچھے اور بُرے پیر کا امتیاز یوں بیان کیا ہے ؎

پیر وہی جی پرم لگاوے نور نشانی عین — منزہ کی سُدھ لکھاوے جہاں دیس نا رین

علوی نہیں جون چھڑی اکارا سوکھ سری جوں بات — سفلی کھیل کھلاوے دائم اپنے فعلوں سات

فعل سہاوا پنتھ اللہ کا جس راہ گئے رسول — گر مکھ پنتھ پچھانوں سو ہے جیہ جیون کا مول

جس مارگ تھیں جیو سنجری سو ہے مارگ سار — مارگ چھوڑ چلے کو مارگ تن کا ہیں بچار[1]

---

[1] رسالۂ امین الدین اعلیٰ، مخطوطہ کتب خانہ درگاہ ہاشم پیرؒ، بیجاپور میں شمس العشاق کے حوالہ کے ساتھ (مسلسل)

کریں جنھیں وہ تیرت پن لوگ اچھاسیں دھیان — پانچو چیر دیا سوں راکھیں کیوں کر دیجئے مان

چندر سور کی ارتھ دکھاویں اچنبھا جپ — ذاکر موہن دم چلاویں یہ بھی دھیان الیپ

تونچت مونڈت پھریں پھوکٹ ترت کریں باجھ — تھان دیکھ جے دلویں مان وہ بھی مورکھ نلج

یا آن جانو پیر ملایا دیکھ ریاہی مان — ٹوپی شجرے کرناڑیا پھول شکر کوں پان

ایسیاں کیرا گرپ تر اکھیں جے توں ہوسی سورا — مان راکھ مرشد ملا دے جس تھے گیان سپورا

تھان دیکھتیں لاگا بالک موکو نہ آوے کھیر — جس کے انگو بھرم بجاوے اس کو کہنا پیر

یا مکھیا را جانے ٹوٹا کوڑ کو جنتر بھاؤ — یا کرامت ابلیس کیری یا سنساری ماؤ

نفع ایسا لاگے تجھ اس کے سن کوں ہان — بن اللہ ہور نہ بولے وہی پیر پچھان

بھوکا کھانے دوڑے دیکھ صحنک بھریا کہان — ناروا سا دیکھے تو کھاتے کیوں ایمان

بے ایمانی کا فر لوگ اس دنیاں کو بھول — بھوک لگے پر وہ بھی کھاویں وہ کیوں پڑیں قبول

راج دہن کو دلویں مان کر تیون فقیر — جرم نہ چاکھے تاک جنہ وہ کیا بوجھیں کھیر

نفس ہوا کی مستی راکھیں ناریاں سینی ہاوا — ناریاں دیکھ مدان کیاں ماتیاں میں روپ اچاوا

دن رات اوں ہور نہ سوجھے جن پُرس کے جاے — بی بیان کوں بھی وہی کر جاے جیسے اپنے طالے

جن کو شہوت کیرا ہاوا ان کو ویسے پیر — جن کے پیر شیاطیں دے تو نا آویں گے حق دہیر

سور کے گل باندھیاں ٹنک وہ کیا اس کو جانے — اس کے ناہیں سرجیا وہ سوہی پچھان مانے

یا گدھڑے پر قرآن لادیا نہ بوجھے دل — لائق اپنے کرے بیان لیہ موکر اپنا کھول

آخر میں وہ میراں جی سے مخاطب ہوتی ہے اور کہتی ہے مجھے دنیا کی لذتوں

سے غرض نہیں، میں تمہارے پریم کی پیاسی ہوں اور تم ہی سے مری آس ہے

(مسلسل) یہ شعر اس طرح لکھا گیا ہے ؎ جس مارگ جیو سنجری سو ہے مارگ سار
مارگ چھوڑ چلے تن کا ہے بچھار

وہ خدا سے حمد کرتی ہے اور اس سے مناجات کرتی ہے :

منج نا لوڑے الوانِ نعمت چھوپ پریان پان ۔۔۔ روکھی سوکھی اُور خوشی کا ہ بڑائی مان !
نا منج لوڑے پاٹ پٹنبر یہ زر زری سنگھار ۔۔۔ پھاٹی چھوٹی کنبل نکی کلمہ جبین ہا ر
نا منج لوڑے بلنگ نہالی صوفی ماڑی باغ ۔۔۔ حسرت راکھ جیونا مرنا یہ توکسل داغ
جے نہ کایا دھول ملا دیں کبھو نہ پرگھٹے شوق ۔۔۔ جے نہ عشقوں انجھو ڈھالے کبھو نہ پایا شوق

تری بات اللہ سوں اچھی لیعنی چھوڑیں کام ۔۔۔ بھاوے سو اس رانگ لیجے سن کر حال تمام
حسرت مری کچھ نہ ابری دولت مرشد کیری ۔۔۔ کہی کریاں کیا نلو ڈپر دے آس مری
کہی تو قادر کر سب جگ سب کوں روزی دلوے ۔۔۔ توں سبھوں کا داتا بیتا سب جگ تجکوں سیوے
سب کی چینتا تجکوں لاگے جیسے جیو جیون ۔۔۔ سب کا جان سجان تو نہیں دے جے جے جیکے تن
سبھوں کوں توں دیکھ سنبھالے تو مَیں مارن ہار ۔۔۔ یوں کی کرتا کوں کہے دے تین ا دیکھ بچا لو
ایکس ماٹی مولی دلوے ایکس ماٹی باج ۔۔۔ کیتوں بھیک منگا وے کیتوں دلوے راج
کیتوں پاٹ پٹنبر دیتا کیتوں سر کی لایا ۔۔۔ کیتوں دھوپ تلاوے کیتوں اوپر چھایا
کیتے پلنگ نہالی اوپر کیتے پڑیں تلہار ۔۔۔ کیتوں کو دھڑ کو نپٹ نا ہیں کیتوں کو دھو تار
کیتے گیان بھگت بیراگی کیتے سورکھ گنوار ۔۔۔ ایک جن ایک مانس کیا ایک پرس ایک نار
یک فرشتہ یک شیطان یک چور یک سا و ۔۔۔ یک جھاڑ یک پتھر ماٹی یک اگن یک با و
عرش و کرسی لوح قلم دوزخ بہشت نپایا ۔۔۔ آسمان سور چندر تارے سب پہ حکم چلایا
تجھ تے ہی قدرت کو زور، تجھ نے نور نورانا ۔۔۔ تجھ تے سب کا سبھیں نیا تجھ تے سبھیں بیگانا
تجھ بن کوئی نہ مارا جاوے تجھ بن کوئی نہ آس پورائے ۔۔۔ عالم اوپر بایا تا کرے حکم سوں جیسا بھائے
بہشت بیانے آگ اجاوے دوزخ کوں سکے بجھاوے ۔۔۔ پکڑ بھکاری تخت بھٹاوے راجے راکھی گرد ملاوے
فہمندیاں کوں کہے دیوانے سو کیا یہ دوکہ میں بھانے ۔۔۔ کر کر بندگی جرم گنواوے پھر پڑ پیچ عجب کیا نے
میں اس کارن بھوت ڈروں ڈر کر جاوں کہاں ۔۔۔ جہاں جہاں میں جھیں لوڑوں تو ہی تہاں تہاں
اب نہ چھیوں اب نہ ڈروں، ڈروں تو کہاں تلک ڈروں ۔۔۔ ہیں غریب بنائے تری آس تھی آسا دھر روں

تو رحمان رحیماں مرا مہد محبت بھر یا ۔۔۔ میں تو باندی برواتری بر ہاتوں دھریا
نا میں کیتی بندگی تری نا دھڑ کیتی یا د ۔۔۔ دائم کیتی اگل ترے سلکوں تھی فریاد
تیں بھی مرے لاڑ چلایا کبھوں نہ ہوا اُداس ۔۔۔ اپ سند لیا توڑ گسا میں تری منج کو آس

بالآخر اس کی دُعا قبول ہوتی ہے اور ہاتف خوشخبری دیتا ہے، فرشتے ادب سے حاضر ہوتے ہیں اور آسمان سے نور کے طبق آتے ہیں اور پھولوں کی خوشبو سے زمین آسمان مہک اُٹھتے ہیں۔ خوشی یا خوشنودی کا یہ آخری وقت ہے اور وہ اس دنیا سے چل بستی ہے۔ میراں جی نے اس منظر کو بڑے دلگداز، دلکش اور موثر انداز میں پیش کیا ہے۔ اس نظم کو بلاشبہ دورِ قدیم کی دلکش ترین نظموں میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ اس نظم میں تین جگہ میراں جی کا نام ہے جس سے اس بات کی اور زیادہ تصدیق ہوتی ہے کہ یہ نظم ان ہی کی ہے۔ وہ شعر یہ ہیں :

سنون (میراں جی) گن دھن میں جل بل تلمل پتیوں
مری آہ نہ آوے کسی جائے کدھر میں چھپیوں
کیا میں چوکی، کی یوں کیتی تم تو جیؤ جیون
کا ہے کیتی سخت (میراں جی) منجہ غریب تھی من

اگرچہ یہ تینوں شعر خوشنودی کی طرف سے میراں جی کو خطاب کر کے لکھے گئے ہیں لیکن صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کے لکھنے والے میراں جی ہیں۔ اس کے علاوہ کتب خانہ درگاہ حضرت ہاشم پیر بیجاپور میں ایک مخطوطہ "رسالہ امین الدین اعلیٰ" راقم الحروف کی نظر سے گذرا ہے۔ جس میں حضرت میراں جی شمس العشاق کا حوالہ دے کر یہ شعر لکھا گیا ہے:

جس مارگ جیؤ سنری سو ہے مارگ سار ۔۔۔ مارگ چھوڑ چلے تن کا ہے بچار

اور یہ شعر اسی نظم خوش نامہ کا ہے جس سے اس بات میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش قطعی باقی نہیں رہتی کہ اس کے لکھنے والے میراں جی شمس العشاق ہی ہیں۔

خوش نغز

"خوش نغز" کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر عبدالحق نے بیان کیا ہے کہ اس کا ایک نسخہ ان کے پاس ہے۔ یہ نظم "خوش نامہ"

جیسی ہے۔ خوش یا خوشی سوال کرتی ہے اور میراں جی اس کا جواب دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا نام بھی "خوش نغز" ہے۔ نظم میں جگہ جگہ میراں جی کا نام اسی طرح آتا ہے جس طرح خوش نامہؔ میں آیا ہے۔ اس میں ۷۲، ۷۳ شعر ہیں اور کل نو ابواب ہیں۔ ہر باب کے شروع میں خوشی کی جانب سے سوال ہے اور میراں جی کی طرف سے جواب ہے۔ سوال و جواب کی نوعیت ان عنوانوں سے ظاہر ہے جو ذیل میں لکھے گئے ہیں:

باب اول۔ عرفان و رُوح — باب دوم۔ عرفان عالمہا
باب سوم۔ عرفان مراقبہا — باب چہارم۔ عرفان ذوق و نور
باب پنجم۔ عمل مباہی برایقان — باب ششم۔ موت عارفاں
باب ہفتم۔ بحث عقل و عشق — باب ہشتم۔ بیان کرامات
باب نہم۔ موحد ملحد۔

نظم کی ابتدا میں دو ایک شعر جو بطورِ تمہید لکھے گئے وہ یہ ہیں:

جے ہماری ارادت کی ان کا یہ احکام — نماز تسبیح' نیتاں' ذکر اللہ یک نام
اس پر چیتا رہے صدق سن اوتا اچھے لاب — دین' دنیا' دیدار' بہشتاں پاویں بے حساب

اس کے بعد اصل نظم شروع ہوتی ہے۔ مثلاً باب دوم یوں شروع ہوتا ہے:

خوش پوچھے کہو پیر میراں جی عالم اچھے کیتے
پیر کہیں سن جیتے تن اچھیں عالم تیتے

باب ہفتم میں عشق و عقل کا بیان ہے جس کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے:

خوش کہے کہو میراں جی عشق بڑا یا بودہ
پیر کہیں میں آکھوں بیان اس میں دھر نا بودہ

باب ہشتم میں کرامت بیان ہوئی ہے جس کا آغاز یوں ہوتا ہے:

خوش کہے کہو میراں جی حال کرامت کیرا
حلال حرام کہو جی بوجھے یہ من میرا

باب نہم موحد ملحد کے بیان میں ہے جو اس طرح شروع ہوتا ہے:

خوش پوچھے موحد کے لکھن کہو پیارے پیر
کھولو ملحد کیریاں بیاں یک یک مج دھیر

اس نظم کا ایک ناقص الآخر نسخہ سالار جنگ کے کتب خانہ میں ہے[1] مگر وضاحتی فہرست میں اس کا نام خوش نامہ لکھا ہے۔ یہ اصل میں خوش نغز کا باب نہم ہے اس میں بلد ۲۲ شعر ہیں۔ اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

۱ — خوش پوچھے موحد کے لکھن کہو پیارے پیر
کھولو ملحد کیریاں بیاں یک یک مج دھیر

بالقی (۲۳) اشعار ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

۲ — موحد ارشادوں پایا سب اللہ تھے دیکھے
ملحد اپنی اناؤں سب خدا کر لیکھے

۳ — موحد با ترکیب سول سب [illegible]
ملحد سب گھال بیل منجہ میں راکھے

۴ — موحد سو ارشادوں جانے اس کے کام تمام
ملحد جوں بیسا بیٹھی بھوگے سب حرام

۵ — موحد پر کاروں بھوگے سبھی بھوگ بلاس
ملحد جیوں تیں بھول میں رہ جو ناجی ناس

۶ — موحد پر گروچرنوں راتا کوری کا منوار
ملحد کے جے من بھاوے راکھے وہی قرار

۷ — موحد سو امر اللہ کا تل تل بوجھ کرے
ملحد سو خالی خیال پھل تس بھر سول بھرے

---

[1] کتب خانہ سالار جنگ مخطوطہ نمبر تصوف ۳۴۳

۸ موحد سو اللہ کوں جانے ہے موصوف جیسا
ملحد رُوپ کریں گے اس من کو بھاوے تیسا

۹ موحد سو جانے . . . . . ماٹی پانی آگ
ملحد سو ہی اللہ کر آکھیں بھرموں لاگ

۱۰ موحد سو بار ہوا کوں جانے اس کے کرنے
ملحد سوں بھی اللہ کر پرچیں پکڑ دھرنے

۱۱ موحد سو من بودہ چت جانے سب نپاے
ملحد سوں بھی اللہ کر سیتے بھاؤ لگاے

۱۲ موحد سو جیو نا مرنا چھوڑ کر سوکھ دیکھیں
ملحد سوں اس دو انگوں مکھ مکٹ کر لیکھیں

۱۳ موحد سو جیو تن جیو جیوال اُچھا سنے
ملحد سو تن اللہ یا جیو اللہ کر ماسنے

۱۴ موحد سو آدم روپ کھیں خلیفہ گیا نوں
ملحد سو بھی اللہ کر مانے کی انما نوں

۱۵ موحد سو لیکھیں اس بن تن ہے وردم
ملحد سو لیکھیں اس باج تن پر کم

۱۶ موحد سو پریت پنپ کر تشبیہ تنزیہ مانے
ملحد سو بھی پنپ کر گھنڈیت گیان بکھانے

۱۷ موحد سو لیکھیں اس بن ابھاس بن رنگ
ملحد سو رنگ ابھاس پر چورا کھیں انگ

۱۸ موحد سفلی چھوڑ علوی بھی نہ مانے
ملحد سو بھی اللہ کریں کر پر چوچ بکھانے

۱۹ موحد سو سنگر، سیوے پور لیویں بودہ
ملحد سو خام ارادت کھویں سودہ

۲۰ موحد سو راہ پچھان لاویں اوروں راہ
ملحد سو چلتی بات ٹھیراویں لیویں آہ

۲۱ موحد سو حق پچھان ناحق راکھیں دور
ملحد سو ناحق سمجھاپیں دیکھت حال حضور

۲۲ موحد سوں بن پر آپ دیکھیں یکایک
ملحد ہو بھو انگوں سو، نا کھیں لیکھا لیک

شہادۃ الحقیقت یا شہادۃ التحقیق

یہ منظوم رسالہ خوش نامہ سے زیادہ طویل ہے. اس کا مکمل نسخہ برٹش میوزیم میں ہے جس میں کل (۱۱۰۸) اشعار ہیں[1]. مولوی عبدالحق نے لکھا ہے اس کے دو نسخے ان کے پاس ہیں. مولوی صاحب ابیات کی تعداد (۵۶۳) بتاتے ہیں. میراں جی شمس العشاق کی مثنویوں کا ذکر کرتے ہوئے اس طویل مثنوی کے بارے میں ڈاکٹر ٹی. گراہم بیلی نے لکھا ہے :

" THE FIRST 350 LINES LONG IS CALLED "KHUSH-NAMA" AND THE SECOND WHICH CONTAINS THE STORY, THE GIRL ASK-ING QUESTIONS AND MEERANJI RERLYING IS NAMED "KHUSH NAGZ", IT IS 146 LINES IN LENGTH.

MORE IMPORTANT, BUT LESS CHARMING IS SHAHADAT-HAQEEQAT, A POEM OF 1,126 LINES. [2]

اس عبارت کا ترجمہ ڈاکٹر زور نے یوں کیا ہے :

---

[1] مقالہ "ریاست میسور میں اردو مثنوی کا ارتقاء". فہمیدہ بیگم.

[2] A HISTORY OF URDU LITERATURE BY T. EBRAHAM BAILY. P.NO17.

"یہ نظم (۳۵۰) ابیات پر مشتمل ہے اور خوش نامہ کے نام سے موسوم ہے اور دوسری نظم جس میں یہی قصہ مسلسل پیش کیا گیا ہے اور جس میں خوشنودی سوالات کرتی ہے اور حضرت شاہ میراں جی ان کے جوابات دیتے ہیں — "خوش نغز" کہلاتی ہے۔ اس کے ابیات کی تعداد (۱۳۶) ہے۔ ان دو نظموں کے علاوہ میراں جی کی ایک اور طویل نظم جو (۱۱۲۶) اشعار پر مشتمل ہے "شہادت الحقیقت" ہے۔ یہ اگرچہ ان نظموں کی طرح دلکش نہیں ہے۔"[۵]

یہاں ڈاکٹر زور نے LINES کا ترجمہ شعر کر دیا ہے حالانکہ LINE سے مراد مصرعہ ہے۔ نظم میں مثنوی کا نام تحقیق بتلایا گیا ہے جیسا کہ اس شعر سے ظاہر ہے:

اس نام ہے تحقیق　　　سن شہادت التحقیق

برٹش میوزیم کے مخطوطہ کے سرنامہ پر بھی شہادت التحقیق لکھا ہے[۶] مگر عام طور پر یہ شہادت الحقیقت کے نام سے مشہور ہے۔

مولوی عبدالحق صاحب کے پاس اس مثنوی کے جو دو نسخے ہیں ان کے متعلق مولوی صاحب کا بیان ہے:

"ایک میں تو صاف حضرت میراں جی کی تصنیف بتائی ہے۔ دوسرے میں کسی کا نام نہیں لکھا لیکن خود نظم میں بھی اس کی شہادت موجود ہے کہ یہ انہی کی تصنیف ہے۔ حمد و نعت اور منقبت کے بعد خاندانِ چشتیہ اور اپنے پیر حضرت شاہ کمال الدین بیابانی کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

اس کمالیت کے سنگ　　　اس خانوادہ کے رنگ
ان گمائے اپنا حال　　　تو ہوئے پیر کمال
کچھ تھے نصیب مرے　　　پگ دیکھے تو ان کیرے

اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ نظم میراں جی ہی کی ہے۔ یہ بھی تصوف اور معرفت میں ہے

---

۵ تاریخ ادب اُردو ص ۲۵

۶ فہمیدہ بیگم۔ مقالہ "ریاست میسور میں اُردو مثنوی کا ارتقاء"

بحر صاف اور ہندی ہے، زبان بھی کسی قدر صاف ہے۔"[۱]

نظم کا عنوان اور اس کی خوبیاں اس طرح بیان ہوئی ہیں:

اس نام ہے تحقیق　　　سن شہادت التحقیق
اس کا مغز دریا　　　جی دیکھ نت لے بھریا
سب ہیروں کیری کھان　　　نا موتیوں کیری دان
جے غواص بودہ ہوے　　　تو سالم سودا لہوے
جے ہووے گا مچھارا　　　کیا جانے گا بچارا

یعنی یہ کہ یہ کلام کیا ہے ہیروں کی کان اور موتیوں کا خزانہ ہے۔ جو اچھا غواص ہو اور جسے گوہر حاصل کرنے کا گر آتا ہو وہ اپنا دامنِ مراد موتیوں سے بھرے گا، جو کامیاب غواص نہیں وہ ایک مچھیرے کی مانند ہے جسے زندگی بھر کوئی گوہر ہاتھ نہیں آتا — نظم حمد سے شروع ہوتی ہے جس کے شعر یہ ہیں:

بسم اللہ الرحمٰن　　　الرحیم توں سبحان
تو دانا اور بینا　　　تو سب تے ہے توانا
یہ سب عالم تیرا　　　رزاق سبھوں کیرا
تجھ بن اور نہ کوی　　　نہ خالق دوجا ہوی
جے تیرا ہوے کرم　　　تو ٹوٹے سب ہی بھرم
اس کارن تجھ کو دھاون　　　اور تیرا نام لیون
تجھ نرتا کون جانے　　　اور پوری صفت بکھانے
ہے تیرا انت نہ پار　　　کس موکھوں کروں اوچار
سب حال تجھ پر بہتا　　　راکھے جیون رہتا
جو تیرا امر نہ جانے　　　اس ہی کو نہ مانے

اس کے بعد نعت ہے جس کے چند شعر یہ ہیں:

محمّد نبی تیرا　　　اس پر ایمان میرا

---

۱ قدیم اُردو۔ ڈاکٹر عبدالحق۔ ص ۱۸

نا درس دیں اس باج　　سب عالم کیرا تاج
جو اس کی رُخ آوے　　سو تیرا درس پاوے
اس بھول جے کوئی تھاکے　　تے دوزخ مان راکھے
وہ نبی اوّل نوُر　　بس عالم پہ معمور
نورانی احمد نام　　یہ اچھا ذوق آرام
یہ میم احمد میں آیا　　تو احمد نام کو آیا

اس کے بعد منقبت اور اس کے بعد اپنے پیر کا ذکر کیا ہے، اس کے بعد تصوّف کی باتیں ہیں۔ لیکن اصل موضوع پر لکھنے سے قبل وہ نظم کو اُردو زبان میں لکھنے کی معذرت پیش کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ زبان کچھ بھی ہو معنوں پر غور کرنا چاہیے۔ جس طرح مٹی چھان کر سونا نکالتے ہیں اس طرح الفاظ میں سے مطالب اخذ کرنا چاہیے۔ چونکہ بہت سے لوگ عربی، فارسی، نہیں جانتے اس لئے ہندی میں یہ باتیں لکھی گئی ہیں۔

ہیں عربی بول کیرے　　اور فارسی بھو تیرے
یہ ہندی بولوں سب　　اس امرتوں کے سبب
یہ بھاکا بھلسو بولی　　پن اس کا بھاوت کھولی
یوں گر مکھ پند پایا　　تو ایسے بول چلایا
جے کوئی آچھیں خاصے　　اس بیاں کیرے پیاسے
دے عربی بول نہ جانے　　نہ فارسی پچھانے
یہ ان کو بچت ہیت　　سنت بوجھیں ریت
یو دیکھت ہندی بول　　پن معنی میں نپتول
کڑوے پن سو رس　　پھل پاکے جون پھنس
نا دیکھت بورا لیکھو　　بے مغز چاک دیکھو
جے مغز میٹھا لاگے　　تو کیوں من اس تے بھاگے
تیوں اس میں ارت پیچ　　سب قراں گرے بیچ

وہ مغز معنی لیو　　سب چھال جھاڑ دیو
یا وہ دیکھے جھارا　　اس ماٹی کا پسارا
نا ماٹی اس کو ہان　　وہ راکھے سمیٹ آن
یہ چھان سونا لیوے　　اور بعضے ناکہ دیوے
تیوں بھاکا ماٹی جانوں　　زر معنی دل میں آنوں
تو جس کو بھاوے جوڑ　　نا جاسی یہ گن چھوڑ
ہے کڑوا ن کیرا بیرا　　گھوڑا اوپر پڑیا نیرا
کوئی سجان بھاگوں پاوے　　تو کیوں نالیہ اچا دے
گھر بھاکا چھوڑ دیجیے　　چن معنی مانگ لیجیے

اس کے بعد تصوف کے تمام مسائل سوال و جواب کی شکل میں مرتّب کئے گئے ہیں۔ طالب سوال کرتا ہے اور مرشد جواب دیتا ہے ــــ آخری شعر یہ ہیں:

ہے کہا نہ آدمی　　نا نہیں کسیا کرجادی
سُن یہ گیت کیونکر سوجھے　　جس قربت سوہی بوجھے
ایتال بیسا ویسا　　تو بوجھیں اچھے جیسا
اب تو سب سوکھ پیام　　سُن تمت ہوا تمام
ہم گھٹ رہیا پور　　تو شاہی سیر ظہور

شکار نامہ (منظوم)

ڈاکٹر فہمیدہ بیگم اپنے مقالہ " ریاستِ میسور میں اُردو مثنوی کا ارتقا " میں لکھتی ہیں:

" برٹش میوزیم لندن میں ہمیں ایک نادر بیاض ہاتھ آئی ہے جس کا ذکر میوزیم کے کیٹلاگ میں بھی تفصیل سے درج نہیں ہے۔ اس بیاض میں میراں جی شمس العشاق ان کے بیٹے برہان الدین جانم اور پوتے امین الدین اعلیٰ اور اس عہد کے دیگر صوفیوں کا اُردو فارسی کلام موجود ہے۔ میراں جی کی تصانیف میں سے تین مثنویاں ملتی ہیں۔

(۱) شکار نامہ (منظوم) (۲) جام معرفت (۳) شہادت التحقیق ۔

اس مثنوی شکار نامہ کے متعلق آگے چل کر وہ لکھتی ہیں کہ : " یہ ایک سو پندرہ اشعار کی مثنوی ہے ۔ سرورق پر مثنوی میں اس نظم کے نام کی صراحت نہیں کی گئی ہے ۔ لیکن اس کے نفسِ مضمون کی وجہ سے اس مثنوی کا نام شکار نامہ ہی زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے ۔ کیونکہ قدیم اُردو کے مشہور ترین رسالہ شکار نامہ کے مطالب اور مذکورہ مثنوی کے مطالب میں بال برابر فرق نہیں پایا جاتا ہے ۔ صرف فرق یہ ہے کہ وہ نظم میں اور یہ نثر میں ہے ۔ اس مثنوی کے شعر نمبر ۱۱۲ پہ میراں جی کا نام آتا ہے ۔ شعر مذکور درجِ ذیل ہے :

ناؤ میراں جی مرا مان   دیکھ دعا کر دل و جان

اس مثنوی میں قصّہ کے خالق کا ذکر کئی بار کیا گیا ہے اور ان کو باوا شاہ حسینی حضرت حسینی ۔ گیسو محمد کے نام سے یاد کیا گیا ہے :

باوا شاہ حسینی کہے سب جہاں   مدّت تے ادلوں کے بیان ہوئے عیاں
کہوں ایک توحید کیرا کلام   شکار اس جنس کا کئی خاص و عام
کہ حضرت حسینی نے فرمائے ہیں   دیک یو سالکان نے عطا پائے ہیں

چار حرفا یو توں مان   تین موئے ایک بے جان
اوّل حرف تن گیسو محمد کہے   دوم حرف تن فنا محمود ہے

ڈاکٹر فہمیدہ کا بیان ہے کہ ابتدائی چار شعر حمد کے، پانچ شعر نعت کے اور پانچ شعر مدح پیر کے ہیں ۔ اصل قصّہ کو دو حصّوں میں بانٹا گیا ہے ۔ پہلا حصّہ ۲۲ اشعار پر مشتمل ہے درمیان میں ایک رباعی کہہ کر دوسرا حصّہ جو (۷۱) ابیات پہ مشتمل ہے لکھا ہے جس کے کل ۱۱۵ اشعار ہوتے ہیں مگر شاعر نے اختتام پہ لکھا ہے کہ اس مثنوی میں (۱۱۱) شعر ہیں ۔

ایک سو گیارہ بیتاں مان   ختم کیا میں با دل و جان

مدح پیر کے ۵ اشعار میں سے فہمیدہ بیگم نے صرف حسبِ ذیل دو شعر درج کئے ہیں :

سراؤں اپنا میں مرے پیر کوں   رکھیا جان بے جاز میں پر سیر کوں
شریعت طریقت حقیقت بیان   سمجے معرفت جس تے پایا عیاں

مدح پیر کے مزید تین شعر نہیں لکھے گئے ہیں ۔ پتہ نہیں ان تین اشعار میں کہیں کمال الدین بیابانی کا نام آیا ہے یا نہیں ۔ اگر ان اشعار میں کمال الدین بیابانی کا نام آیا ہوتا تو اس مثنوی کے میراں جی شمس العشاق کے ہونے میں شبہ کی گنجائش نہیں ہوتی ۔ کیونکہ میراں جی شمس العشاق اکثر اپنے مرشد کا نام لیتے ہیں ۔ اس شبہ کو تقویت اس وجہ سے بھی پہنچتی ہے کہ اس مثنوی میں باوا شاہ حسینی کا ذکر ہے جو بعد کے بزرگ ہیں ۔ ہوسکتا ہے کہ یہ مثنوی میراں جی خدا نما یا میراں شاہ ولی اللہ کی مثنوی ہو جو بعد کے بزرگ ہیں ۔

مثنوی جام معرفت

اس مثنوی کا ذکر بھی صرف ڈاکٹر فہمیدہ بیگم نے اپنے مقالہ " ریاستِ میسور میں اُردو مثنوی کا ارتقاء " میں کیا ہے ۔ اس کے متعلق وہ لکھتی ہیں :

" یہ ایک اور غیر معروف، و غیر مطبوعہ صرف (۲۹) ابیات کی مثنوی ہے بیاض میں اس کا کوئی عنوان نہیں ہے ۔ اس لئے مضمون کے پیشِ نظر ہم نے اس کا نام "جام معرفت" مناسب سمجھا ۔ اس کی حکایت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ اپنے داماد حضرت علیؓ کے گھر تشریف لے گئے ۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عثمانؓ بھی حاضر تھے ۔ حضرت علیؓ نے باادب ایک جام شہد آنحضرت صلعم کے سامنے لا حاضر کیا ۔ حضرت نبیؐ کی نظر شہد میں موجود بال پر پڑی ۔ میزبان بہت شرمندہ ہوئے لیکن حضورِ پُرنور نے توحیدی نقطۂ نگاہ سے بال کی وضاحت خلیفوں سے چاہی ۔ ہر ایک نے اپنی سمجھ کے مطابق جواب دیا ۔ آخر میں حضورِ پُرنور نے کہا کہ صفتِ خدا جام ہے اور شہد معرفت جن کو پڑھ کر یاد رکھنا

بال سے زیادہ باریک ہے۔ ایک صوفیانہ نکتہ مکالمہ کی شکل میں حُسن وخوبی سے بیان کر رہا ہے۔ نظم مختصر ہے اور بے حد دلچسپ۔ بیاض میں جو نقل موجود ہے اس کا تب بے حد بدخط اور کم ذوق معلوم ہوتا ہے۔[1]

فہمیدہ بیگم نے اس مثنوی کے جو جملہ ۱۳ اشعار بطور نمونہ دیئے ہیں ان میں سے کوئی ایسی داخلی شہادت نہیں ملتی ہے جس سے اس مثنوی کے میراں جی کے ہونے کا ثبوت ملے۔ اور نہ ہی فہمیدہ بیگم نے ان اسباب کا ذکر کیا ہے جن کی وجہ وہ اس مثنوی کو میراں جی کی مثنوی قرار دیتی ہیں۔

بشارت الذکر

اس نظم میں ذکر جلی وخفی، قلبی و روحی کا بیان ہے۔ اس میں جملہ (۶۰) شعر ہیں۔ ایک شعر میں تعداد بھی بتائی گئی ہے ؎

نظم دیکھ کیتا گنت ساٹ یہ
یک یک آن موزوں کیا باٹ یہ

نصیر الدین ہاشمی صاحب نے سالار جنگ کے کتب خانے کی "وضاحتی فہرست" میں اس کو میراں جی شمس العشاق کی طرف منسوب کیا ہے لیکن خود شاہ برہان الدین جانم کی فہرستِ تصانیف میں اسے بھی شامل کر کے متضاد بات لکھ دی ہے۔

ڈاکٹر نذیر احمد نے اپنے مضمون "اُردو کی ابتدائی نشوونما میں علمار وفضلار کی خدمات[2]" میں بشارت الذکر کو شمس العشاق کی تصانیف میں شمار کیا ہے لیکن "علی گڈھ تاریخ ادب اُردو" میں اس کو بُرہان الدین جانم کی تصنیف بتلایا ہے[3] غالباً ڈاکٹر نذیر احمد نے اپنے پہلے مضمون میں نصیر الدین ہاشمی صاحب کے بیان کی بنیاد پر اس کو شمس العشاق میراں جی کی تصانیف میں شمار کیا تھا۔ اس لئے کہ ہاشمی صاحب کے سوا کسی نے "بشارت الذکر" کو میراں جی کی تصنیف نہیں بتلایا ہے۔ اور شاید

---

[1] فہمیدہ بیگم، "ریاست میسور میں اُردو مثنوی کا ارتقار"۔ [2] "اُردو کی نشوونما میں علمار وفضلار کی خدمات" ڈاکٹر نذیر احمد، نوائے ادب، جولائی سنہ ۱۹۵۸ء۔ [3] "علی گڈھ تاریخ ادب اُردو" ص ۲۲۸

ہاشمی صاحب کو یہ تسامح اس وجہ سے ہوا تھا کہ کتب خانہ سالار جنگ[1] میں "بشارت الذکر" کا جو مخطوطہ ہے اس کے سرنامے پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے:

"ایں کتاب بشارت الذکر تصنیف شاہ میراں جی شمس العشاق"

ڈاکٹر عبدالحق نے "قدیم اُردو[2]" میں بشارت الذکر کے ابتدائی اور آخری شعر جو بطور نمونہ دیئے ہیں ان میں اور سالار جنگ والے نسخہ میں کسی قسم کا فرق نہیں ہے۔

آغاز یوں ہے:

اللہ اسم ذاتی دھوں جگ ازل — جلی ہم خفی در کیا ہے فضل
شرف نام دیتا سہسر اُپّر — ملائک جن جگ تر اُپّر
دھون جگ سمریں اللہ یک نام — کہ مخلص و عابد جپے ہیں مدام
خلیل محب صادق ولی اتقیا — اسی نام سینی محیط دل کیا

آخری شعر یہ ہیں:

یہی حال واصل تو بوجھیں صفا — کہ رمزے خفی ہے صفا در صفا
نظم دیکھ کیتا گنت ساٹ یہ — یک یک آن موزوں کیا باٹ یہ
خلاصۂ مذکور نمودہ تمام — بفضل النبی علیہ السلام

کتب خانہ درگاہ حضرت ہاشم پیرؒ بیجاپور میں بھی "بشارت الذکر" کا ایک نسخہ ہے جو کسی داؤد علی شاہ کی فرمائش پر ماہ ذی الحجہ سنہ ۱۲۳۰ھ میں لکھا گیا ہے۔ لیکن اس مخطوطہ میں صرف ۵۸ شعر ہیں۔ آخر کے شعر تو برابر ہیں لیکن درمیان میں دو شعر کم ہیں۔ شاید کاتب نے نقل کرتے وقت چھوڑ دیا ہو۔ چونکہ ڈاکٹر عبدالحق اور ڈاکٹر زور دونوں نے بشارت الذکر کو برہان الدین جانم کی تصنیف قرار دیا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ شاہ برہان نے اپنے نثری رسالے "ذکر جلی" میں جن مسائل کا ذکر کیا ہے وہی مسائل بشارت الذکر میں منظوم ملتے ہیں اس لئے اس بات میں

---

[1] "بشارت الذکر" تصوف واخلاق ۹۰ کتب خانہ سالار جنگ۔
[2] "قدیم اُردو" ڈاکٹر عبدالحق ص ۴۱

شبہ کی گنجائش نظر نہیں آتی کہ بشارت الذکر شاہ برہان الدین جانم کی تصنیف ہے۔

مغز مرغوب

میراں جی شمس العشاق کی ایک چھوٹی سی نظم "مغز مرغوب" بھی ہے۔ ڈاکٹر عبدالحق نے اس نظم کا ذکر نہیں کیا ہے۔ علی گڑھ تاریخ ادب اُردو میں ڈاکٹر نذیر احمد نے لکھا ہے:

"مغز مرغوب' ایک مختصر سی عارفانہ نظم صرف سالار جنگ کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔" [۱]

راقم الحروف کو اس نظم کے چھ نسخوں کا پتہ چلا ہے۔ ایک نسخہ کی نقل اکبرالدین صدیقی صاحب کے پاس ہے جو ۱۰۶۸ھ کا مکتوبہ ہے۔ ادارۂ ادبیات اُردو میں اس کے دو نسخے ہیں لیکن ادارہ کا ایک نسخہ مخطوطہ نمبر ۹۵۵ ناقص الآخر ہے اس کے برخلاف ادارہ کا ایک نسخہ مخطوطہ نمبر ۱۱۱۵ مکمل ہے۔ کتب خانہ سالار جنگ میں بھی ایک ناقص الآخر نسخہ ہے جس کا مخطوطہ نمبر ۱۶۱ ہے۔ ان چاروں نسخوں کے علاوہ بیجاپور میں دو نسخے ہیں۔ ایک نسخہ کتب خانہ درگاہ حضرت امین الدین اعلیٰ میں ہے جو ناقص الآخر ہے اور جس کا نمبر ۱۴۱ ہے جس میں صرف تیرہ شعر ہیں۔ دوسرا مکمل نسخہ کتب خانہ درگاہ حضرت ہاشم پیرؒ بیجاپور میں ہے، جس کے سرورق پر

"... من تصنیف میراں جی شمس العشاق قدس اللہ سرہٗ العزیز"

لکھا ہوا ہے۔ یہ مکمل نسخہ ہے۔ اس میں پورے ۲۳ شعر ہیں۔ اس نظم کا نام "مغز مرغوب" ہے جس کی شہادت خود اس مثنوی کے دوسرے شعر سے ملتی ہے ؎

مغز مرغوب دھریا جانو اس نسخہ کا نام
مرشد موکھوں سمجھے تو ہوئے کشف تمام

---

[۱] علی گڑھ تاریخ ادب اُردو، ص ۲۱۵

یہ نظم جملہ صرف (۲۳) اشعار پر مشتمل ہے۔ خود اس نظم کے تیسرے شعر میں نظم کے جملہ اشعار کی تعداد بتلائی گئی ہے ؎

بیس نظم اور تین زیادت اس کا سب حساب
پرش پچھان کرے رہے تو ہر نغمہ کا لاب

اس نظم کے پہلے شعر کے دوسرے مصرعہ میں میراں جی اپنے مرشد حضرت کمال الدین بیابانی کا ذکر یوں کرتے ہیں ؎

"سب خاصوں سوں اللہ اللہ تو آکھوں گیان کمال"

اسی طرح اس نظم کے آخری شعر کے دوسرے مصرعے میں میراں جی اپنے پیر و مرشد کو اس طرح خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں ؎

"شاہ کمال کے پالوں لاکوں اس پرچو میں رہیں"

ادارۂ ادبیاتِ اُردو کے مخطوطہ نمبر ۱۱۵ میں یہ مصرعہ اس طرح لکھا ہے ؎

"شاہ کمال کے پگوں لاگ اس پرچو میں رہیں"

اس مصرعہ میں شاہ کمال کی وجہ سے ڈاکٹر زور کو تسامح ہوگیا اور انھوں نے اس نظم کو شاہ کمال گرم کنڈوی سے منسوب کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں ؎

"۱۱۱۵۔ مغز مرغوب۔ قریب سنہ ۱۱۰۰ھ۔ شاہ کمال گرم کنڈوی (متوفی سنہ ۱۲۲۴ھ) کڑپہ کے ایک مشہور صوفی گذرے ہیں جن کا دیوان ادارے میں نمبر ۶۰۰ پر موجود ہے اور ان کی تفصیل جلد سوم صفحات ۲۰۷، ۲۰۸ پر درج ہو چکی ہے۔ ممکن ہے کہ یہ مثنوی بھی ان ہی کی ہو مگر اس کی زبان بہت پرانی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ یہ کمال بھی شاہ میراں جی کے سلسلۂ بیعت کے کوئی بزرگ تھے کیونکہ اس جلد کے زیادہ تر رسائل اسی خاندان سے متعلق ہیں۔ اس مثنوی کا ایک اور نسخہ جو کلیانی سے قریب ہے شہر بیدر میں نقل کیا گیا ہے۔ اس کی ابتدا، اس طرح ہوتی ہے ؎

اللہ محمد علی امام دائم ان سوں حال
سب خاصوں سوں اللہ اللہ تو انکھوں گیان کمال
مغز مرغوب دھریا جانو اس نسخہ کا نام
مرشد موکھوں سمجھے تو ہووے کشف تمام
بیس نظم اور تین زیادت اس کا سب حساب
پرس پچھان کے سے رہے تو ہر لغمہ کا لاب

اس تیسرے شعر سے ممکن ہے کہ تاریخ تصنیف نکلی ہو جو نظم کے اعداد ۹۹۰ میں ۲۳ ملانے سے ۱۰۱۳ برآمد ہوتی ہے۔ یا پھر مثنوی کے ابیات کی تعداد منظور ہے یعنی ۲۳۔ مگر اس میں ۳۵ ابیات ہیں۔ اس کا اختتام ان ابیات پر کیا ہے :

تیجا آپ تیں سو بوج گت یا کلا اتیت
پرچو رسمی عینی ان کو توتوں سروپ نیت
اس بوجتے آپ ئیں بھی برتے تو ئیں تو نئیں
شاہ کمال کے پگوں لاگ اس پرچو میں رہیں

۲۔ صفحات، ۱۷ سطور فی صفحہ ۵" × ½۹" [1]

مخطوطہ نمبر ۱۱۱۵ کو راقم الحروف نے دیکھا ہے۔ اس میں ۲۳ اشعار ہیں پتہ نہیں ڈاکٹر زور نے کس بنا پر لکھ دیا کہ اس میں ۳۵ ابیات ہیں۔ نیز یہ کہ

شاہ کمال کے پگوں لاگ اس پرچو میں رہیں

سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ شاعر اپنے سے کسی بالاتر شخصیت یا اپنے پیر و مرشد شاہ کمال کا بڑے احترام کے ساتھ ذکر کر رہا ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ صرف "شاہ کمال" کی وجہ سے ڈاکٹر زور نے کس طرح اس نظم کو شاہ کمال گرم کنڈی

---

[1] تذکرۂ مخطوطات۔ جلد پنجم ص ۳۷۸

سے منسوب کیا ہے۔

"مغز مرغوب" میں تصوف کے مسائل کو بیان کیا گیا ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ میراں جی کے بعد کے قریبی زمانے میں یہ نظم کافی مقبول رہی جس کا اندازہ اس امر سے ہوتا ہے کہ حضرت محمود خوش دہاں نے اپنی تصنیف "معرفت السلوک[1]" میں شمس العشاق کے حوالہ سے اس نظم "نفسانے بے فرمانے" والا مصرعہ لکھا ہے۔ اسی طرح حضرت علی مولا صاحب ابن شاہ بابا حسینی اپنی تصنیف "رسالہ وجودیہ[2]" میں ایک جگہ لکھتے ہیں :

"اس باب میں حضرت شاہ شمس العشاق قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں

قیاس کا گن آکھوں جی گھڑنا سن گھڑی
وہم سوں گن لائق دیکھیں گمان بھرموں بھری"

اسی رسالہ وجودیہ میں ایک اور جگہ مغز مرغوب کے ایک اور شعر کا حوالہ ملتا ہے :

امارہ گھر شیطانی اور منزل بھی ناسوت
لوامہ خوشنود بلا بیر دیکھے ہت بہوت

"مغز مرغوب" کو مرتب کر کے راقم الحروف نے حیدرآباد اردو اکیڈیمی کے زیر اہتمام ۱۹۶۶ء میں شائع کیا ہے۔

چہار شہادت

راقم الحروف کو میراں جی شمس العشاق کی ایک اور دکنی مثنوی چہار شہادت کا پتہ چلتا ہے۔ جس کا ایک نسخہ بیجاپور کے کتب خانہ درگاہ حضرت امین الدین اعلیٰ میں دستیاب ہوا ہے جس کے سرورق پر ذیل کی عبارت لکھی ہوئی ہے۔

---

[1] معرفت السلوک۔ محمود خوش دہان، مخطوطہ درگاہ ہاشم پیر، بیجاپور
[2] رسالہ وجودیہ۔ علی مولا صاحب

" این رسالہ چہار شہادت گفتار حضرت شاہ میراں جی صاحب۔"

اس میں جملہ ۸۴ شعر ہیں۔ یہ ناقص الآخر ہے۔ بیجاپور ہی میں درگاہ حضرت ہاشم پیرؒ میں " شہادت نامہ" کے نام سے ایک نسخہ پایا جاتا ہے جس کے سرِ ورق پر ذیل کی عبارت درج ہے :

" شہادت نامہ تصنیف حضرت کمال الدین بیابانی قدس سرہٗ "

اس میں جملہ ۸۹ اشعار ہیں۔ اس " شہادت نامہ" میں " رسالہ چہار شہادت " کے مقابلے میں صرف پانچ شعر زائد ہیں۔ دونوں مخطوطات کا تقابلی جائزہ لینے کے بعد یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مذکورہ پانچ زائد اشعار سے قطع نظر " شہادت نامہ" میں وہی اشعار ہیں جو " رسالہ چہار شہادت" میں پائے جاتے ہیں۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ کسی کم سواد کاتب نے اس کو حضرت کمال الدین بیابانی سے منسوب کر دیا ہے اور اس رسالہ کا عنوان " چہار شہادت" کی بجائے غلط طور پر " شہادت نامہ" رکھ دیا ہے۔ کیونکہ شہادت نامہ کے ساتھ ذہن ایسی نظموں کی طرف جاتا ہے جس میں حضرت امام حسین علیہ السلام یا شہدائے کربلا کی تفصیلات کو نظمایا گیا ہو۔ اب تک اُردو یا دکنی میں شہادت کے عنوان سے جو بھی چیزیں نظم میں پیش کی گئی ہیں ان میں ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔ اس کے برخلاف اس رسالہ کا عنوان " چہار شہادت" صحیح نہ ہونے کی بظاہر کوئی وجہ نظر نہیں آتی ہے۔ اس لئے کہ تصوّف کی اصطلاح میں جو چہار شہادتیں ملتی ہیں ان ہی کو اس عارفانہ مثنوی " چہار شہادت " میں پیش کیا گیا ہے۔ خود اس مثنوی کے چوتھے شعر میں اس کا ذکر کیا گیا ہے :

آکھوں سب ہی شہادت چار
ار نب چار تن کروں اُچار

چار تن کی " شہادت" کا ذکر حضرت برہان الدین جانم کے کلام میں بھی ملتا ہے۔ چنانچہ وہ ہر تن کی شہادت کی توضیح اس طرح کرتے ہیں۔

پہلے تن کی شہادت

خدا کی یاد باج کچھ نہیں کرتا ہے سو رسمی
ہور سب کام کرتا اچھ کر یاد نہیں توٹنے دیا ہے سو عینی

دوسرے تن کی شہادت

سب خطرے مار کر اس یاد کا سکھ لیتا ہے سو رسمی
ہور سکھ دکھ دونوں بھی نفس پر یچ جانیا ہے سو عینی

تیسرے تن کی شہادت

ممتنع میں عارف کو سمجیا ہے سو رسمی
ہور اپنی رُوح کو سمجیا ہے سو عینی

چوتھے تن کی شہادت

نور کوں نور بو جیا ہے سو رسمی
ہور خدا کی ذات اسکو اسیں بوجکر فراموش کیا سو عینی [1]

حضرت برہان الدین جانم کے خلیفہ شاہ داول نے بھی اپنی مثنوی " چار تن" میں اس صوفیانہ اصطلاح " چار شہادت " کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں ؎

حق سوں بولوں چار شہادت سانچے گرد کی گیان
سانچا گرو مرشد مرا حضرت شاہ برہان

۱؎ گفتار برہان۔ شاہ برہان الدین جانم۔ مخطوطہ ۱۱۲۴ ادارہ ادبیات اُردو حیدرآباد۔

آگے چل کر لکھتے ہیں ؎

چاروں تن سوں جیتے اچکر موت کا پیالا پینا
حق کے مارگ حق سوں پانا حق میں حق ہو جینا
داول اپنے چاروں تن سوں یو پرچت بوجیا
حق کی شہادت حق تے پایا عشقوں جھگڑا بوجیا [1]

مندرجہ بالا شواہد سے ایسا ظاہر ہو رہا ہے کہ چہار شہادت کا آغاز حضرت میراں جی شمس العشاق سے ہی ہوا۔ "چہار شہادت" میراں جی شمس العشاق ہی کی تصنیف ہونے میں شُبہ کی گنجائش اس وجہ سے بھی نہیں ہے کہ اس نظم کے آخری شعر میں میراں جی اپنے پیر و مرشد حضرت کمال الدین بیابانیؒ کا ذکر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جو کوئی حضرت کمال سے نصیحت پائے گا اس کو تمام سکھوں کا سکھ حاصل ہوگا۔ شعر ملاحظہ ہو ؎

یہ مت پائے کمالیت مکھ
تو لھی سب سکھوں کا سُکھ

نظم کے آخری شعر میں اپنے مرشد کا ذکر کرنے یا اس کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کا یہ انداز حضرت میراں جی شمس العشاق نے غالباً مراٹھی زبان کے شاعروں کو دیکھ کر اپنایا ہے۔ اس لئے کہ مراٹھی زبان کے اکثر شعراء نظم کے آخری شعر میں اس وقت عموماً اپنے گرو کا ذکر خیر کرتے رہتے ہیں۔ خود میراں جی اپنی نظم "مغز مرغوبؒ" کے آخری شعر کے آخری مصرعہ میں اپنے مرشد کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں ؎

"شاہ کمال کے پاؤں لاکوں اس پر جیو میں رہیں"

اُوپر بیان کیا گیا ہے کہ اس مصرعہ میں شاہ کمال کے نام کی وجہ سے ہی

---

[1] مثنوی چارتن۔ شاہ داول۔ مخطوطہ نمبر ۱۱۱۳۔ ادارۂ ادبیاتِ اُردو حیدرآباد۔

ڈاکٹر زورؔ نے اس نظم کو شاہ کمال گرم کنڈوی (متوفی ۱۲۲۴ھ) سے منسوب کر دیا ہے۔ ڈاکٹر زورؔ جیسے اس دور کے محقق کو ایسا تسامح ہوا ہے تو کچھ عجب نہیں کہ آج سے ساڑھے چار سو سال قبل کسی بھی کاتب نے اس نظم کے تیسرے شعر میں لفظ "کمال" کی وجہ سے اس کو حضرت کمال الدین بیابانی کی طرف منسوب کیا ہو۔ شعر مذکور درج ذیل ہے ؎

اس کمالیت کے کمال
تن مکھ لھیں شہادت حال

مذکورہ شعر سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت میراں جی اپنے پیر حضرت کمال الدین بیابانی کا ذکر فرما رہے ہیں۔ کیونکہ کمالیت کی یہ ترکیب میراں جی کی ایک نظم "شہادت الحقیقت" یا "شہادت التحقیق" میں بھی ملتی ہے۔ جہاں وہ اپنے پیر کا ذکر اس انداز میں کرتے ہیں ؎

اس کمالیت کے سنگ
اس خانوادے کے انگ
ان گمائے اپنا حال
تو ہووے پیر کمال

رسالۂ چہار شہادت کے شمس العشاق میراں جی ہی کی تصنیف ہونے میں شُبہ کی گنجائش اس وجہ سے بھی نہیں ہوسکتی کہ آج تک کسی بھی تذکرے میں حضرت کمال الدین بیابانی کے صاحب تصنیف ہونے کا ذکر نہیں ملتا۔ اس کے برخلاف "کمالیت" کی ترکیب شمس العشاق ہی کے ہونے کی وجہ سے یہ بات بڑی حد تک وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ "رسالہ چہار شہادت" شمس العشاق ہی کی تصنیف ہے۔

اوپر بیان کیا گیا ہے کہ "چہار شہادت" کا نسخہ درگاہ حضرت امین الدین اعلیٰ بیجاپور میں دستیاب ہوا ہے اور حضرت امین الدین اعلیٰ حضرت شاہ

بُرہان الدین جانم ابن شاہ میراں جی کے فرزند ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یہ گھر کا نسخہ ہے۔ اس کے برخلاف " شہادت نامہ " کا نسخہ درگاہ حضرت ہاشم پیرؒ میں ہے۔ علاوہ ازیں دونوں نسخوں کا بغائر جائزہ لینے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اول الذکر نسخہ، کا غذ اور کتابت دونوں اعتبار سے قدیم ترین نسخہ معلوم ہوتا ہے۔

" رسالہ چہار شہادت " میں جملہ آٹھ ابواب قائم کئے گئے ہیں اور ان کو سُرخ روشنائی سے لکھا گیا ہے۔ بعض ابواب میں ذیلی جملہ بارہ فصلیں ہیں اور یہ بھی سُرخ روشنائی سے درج کئے گئے ہیں۔

اس کے برخلاف " شہادت نامہ " میں بعینہٖ ان ہی ابواب اور فصلوں کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی ہے، جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ نقل در نقل ہوتے ہوئے چہار شہادت کا عنوان غلط طور پر " شہادت نامہ " رکھ گیا ہے۔ اور جیسا کہ اُوپر بیان کیا گیا ہے لفظ " کمال " کی وجہ سے کاتب نے غلطی سے اس کو کمال الدین بیابانی سے منسوب کر دیا۔

ایک اور قابلِ لحاظ بات یہ ہے کہ جس بیاض میں " شہادت نامہ " شامل ہے اس میں " شہادت نامہ " سے [illegible] میراں جی کی مثنوی مغز مرغوب لکھی گئی ہے۔

ان تمام وجوہ کی روشنی میں یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ " چہار شہادت " شمس العشاق میراں جی ہی کی تصنیف ہے۔ " چہار شہادت " کو مرتب کرکے راقم الحروف نے ۱۹۶۶ء میں حیدرآباد اُردو اکیڈیمی کے زیرِ اہتمام شائع کیا ہے۔

میراں جی کی زبان

میراں جی شمس العشاق کے سامنے بھی یہ مسئلہ رہا کہ زبان کونسی استعمال کی جائے۔ چنانچہ انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ عربی اور فارسی میں تو بہت کچھ لکھا گیا ہے لیکن عوام سمجھ نہیں سکتے، اس لئے ہندی میں لکھنا چاہئے ــــ چنانچہ فرماتے ہیں ؎

ہیں عربی بول کیرے ــــ اور فارسی بھوتیرے
یہ ہندی بولوں سب ــــ اس ارتوں کے سبب
یہ بھاکا بھلو بولی ــــ پن اس کا بھاوت کھول
یوں گر مکہ پند پایا ــــ تو ایسے بول چلایا
جِسے کوئی اچھیں خاصے ــــ اس بیان کیرے پیاسے
وے عربی بول نہ جانے ــــ نا فارسی پچھانے
یہ ان کو بچت ہیت ــــ سنت بوجھیں ریت
یو دیکھت ہندی بول ــــ پن معنی میں پنتھو ل[1]

میراں جی کہتے ہیں کہ عقل مند آدمی گھورے پر ہیرا ملے تو کیوں نہ اُٹھائے۔ اسی طرح یہ زبان بھی " گھر بھاکا " گھورے پر کی بول ہے زبان کو نظر انداز کرکے معقول آدمی موتی چُن لے گا جیسے نیاریا مٹی چھانتے وقت صرف سونا لے گا اور مٹی پھینک دے گا۔ چنانچہ فرماتے ہیں ؎

جے مغز میٹھا لاگے ــــ تو کیوں من اس تھی بھاگے
تیوں اس ہیں ارت نیچ ــــ سب قرآن کرے بیچ
وہ مغز معنی لیو ــــ سب چھال جھاڑ دیو

---

[1] شہادت الحقیقت۔

یا وہ دیکھے چھارا — اس ماٹی کا پتارا
نا ماٹی اس کو ہان، — وہ راکھے سمیٹ آن
یہ چھان سونا لیوے — اور لعضے ناکہ دلوے
تیوں بھاکا ماٹی جانوں — زر معنی دل میں آنوں
تو جس کو بھاوے جوڑ — نا جاسی یہ گن چھوڑ
ہے کڑورن کیرا ہیرا — گھورا اوپر پڑیا ہندرا
کوئی سجان بھاگوں پاوے — توکیوں نالیہ اچاوے
گھر بھاکا چھوڑ دیجئے — چن معنی مانک لیجئے

۲۷ اکتوبر ۱۹۴۹ء کے رسالۂ اُردو میں ڈاکٹر عبدالحق صاحب نے لکھا ہے کہ:

"حضرت شاہ میراں جی شمس العشّاق گجراتی میں شعر کہتے تھے۔"

اسی طرح مولوی اکبرالدین صدیقی مقدمہ کلمۃ الحقائق میں لکھتے ہیں:

"حضرت میراں جی شمس العشاق اور حضرت برہان الدین جانم نے اپنی زبان کو مختلف رسائل میں گجری سے تعبیر کیا ہے۔"[1]

میراں جی شمس العشّاق نے گجری یا گوجری کا لفظ اپنی تصانیف میں کہیں استعمال نہیں کیا ہے۔ برہان الدین جانم نے بھی گجری کا لفظ استعمال نہیں کیا ہے، البتہ ہندی میں لکھنے کی معذرت کی ہے۔ اور فرمایا ہے کہ انھوں نے یہ سب باتیں ہندی میں کہی ہیں لیکن انھیں شربت کے گھونٹ سمجھنا چاہیے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ دیسی بولی ہے۔ اس میں صرف معنی دیکھو۔ یہ نہ کہو کہ یہ ہندی زبان ہے بلکہ انھیں آنکھیں کھول کر معنی دیکھو ——— سمندر کے موتی اگر کسی کھنڈ میں مل جائیں تو ہوشیار اور عقلمند آدمی انھیں کیوں

[1] مقدمہ کلمۃ الحقائق، مولوی اکبرالدین صدیقی۔

نہ لے۔ بہرحال میں نے یہ باتیں جو اپنے مرشد کے فیض سے حاصل کی ہیں ہندی میں کہی ہیں۔ البتہ "ارشاد نامہ" میں ایک مقام پر کہتے ہیں ؎

یہ سب گجری کیا بیان
کر یہ آئینہ دیا نماں
کلمۂ حق سب کیا بیاں
دیکھ خلاصہ ہوئے عیاں

اپنے ایک رسالہ حجت البقاء میں لکھتے ہیں ؎

جے ہوے گیان بچاری
نہ دیکھیں بھاکا گجری

نثر کے رسالہ کلمۃ الحقائق میں لکھتے ہیں:

"سبب یو زبان گجری نام ایں کتاب کلمۃ الحقائق۔"

بعض محققین نے گجری کو گجرات کی زبان سے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ جناب محمود خاں شیرانی فرماتے ہیں:

"جب اہالیٔ دکن نے اُردو کا نام دکنی رکھا، اہالیٔ گجرات نے اسی کا نام گجراتی یا گوجری رکھ دیا۔[1] مثال کے لئے شیرانی نے خوب ترنگ، جواہر اسرار اللہ، اور محمد امین کی یوسف زلیخا کو پیش کیا ہے یہ سب گجراتی تھے)

اس طرح شیرانی دکنی میں بولی اور لکھی جانے والی زبان کو دکنی اور گجرات میں بولی اور لکھی جانے والی زبان کو گجری یا گجراتی کہا ہے۔

پروفیسر سنیتی کمار چیٹرجی نے شاہ برہان کی نظم سکھ سہیلا پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

[1] پنجاب میں اُردو۔ محمود خاں شیرانی۔ ص ۱۴۱

"SHAH BURHAN'S LANGUAGE HAS SOME DISTINCT PUNJABI AFFINITIES, AND IT IS NOT - WORTHY THAT HE CALLS IT GUJ(a)-RI AS CONSTRASTED WITH i.e. BRIJ BHASHA. THIS NAME GUJRI GIVES AN INDICATION OF THE ORIGIN AND AFFINITY OF THIS DIA-LECT." [1]

ڈاکٹر حفیظ سید بھی اس خیال کے حامی نظر آتے ہیں۔ چنانچہ [illegible] کی اشاعت کے موقع پر "حجت البقار" اور "ارشاد نامہ" کے اشعار تو جیہا پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"A CLOSE STUDY OF HIS WORKS RE-VEALS THAT HIS LANGUAGE IS MUCH INFLUENCED BY GUJRATHI AND IT IS BUT NATURAL. THE INTER RELATION BETWEEN GUJRATHI AND THE DIALECT IN WHICH OUR POET WROTE IS ES-TABLISHED BY AN NUMBER OF PARA-LLELS." [2]

ڈاکٹر گیان چند کا خیال ہے کہ ایک زمانہ میں اُردو کا نام گجری بھی تھا۔ ڈاکٹر سنیتی کمار چٹرجی نے لکھا ہے کہ اس کا گجرات سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ نام گجران والا

---

[1] INDO ARIAN AND HINDI. P 185-186-191.

[2] ALLAHABAD UNIVERSITY STUDIES. P.472.

اور گجرات (پنجاب) کے دکن وارد سپاہیوں کا عطا کردہ ہے۔ چنانچہ دکنی شعرار شاہ برہان الدین جانم اور امین الدین دکنی نے اپنی زبان کو گجری کہا ہے۔ ڈاکٹر زورؔ گجراتی کو دکنی سے الگ بولی قرار دیتے ہیں لیکن وہ مذکورہ شعرار کی گجری کو گجراتی نہیں مانتے بلکہ گجرات کے شاعر خوب محمد چشتی کی مثنوی "خوب ترنگ" کو گجراتی کا نمائندہ قرار دیتے ہیں۔[1]

ڈاکٹر زورؔ کا کہنا ہے کہ:

"جب گجرات کی سلطنت کا شیرازہ بکھر گیا شاعر اور ادیب بے سروسامانی کی حالت میں اِدھر اُدھر مارے مارے پھرنے لگے تو ایسے نازک موقع پر دکن کی ایک سلطنت بیجاپور کے حکمران ابراہیم عادل شاہ ثانی نے فیاضی اور عالی نفسی دکھائی اس نے اپنے آدمیوں کو بیش بہا تحائف اور سوغات دے کر گجرات روانہ کیا تاکہ وہاں کے علمار اور شعرار کو بیجاپور کے دربار میں آنے کی دعوت دیں۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد گجرات کی ادبی عظمت کا پرچم بیجاپور پر لہرانے لگا۔ مشہور و معروف ہستیوں کے علاوہ اکثر عام لوگ بھی بیجاپور آئے تھے اور ان گجراتیوں کا اس قدر اثر ہوگیا تھا کہ بعض دکنی مصنف بھی اپنی گجراتی آمیز ہندوستانی کو گجری کے نام موسوم کرنے لگے۔"[2]

لیکن ڈاکٹر زورؔ کا یہ بیان میراں جی یا بُرہان الدین جانم سے متعلق نہیں، اس لئے کہ اکبر اعظم کی جانب سے عبدالرحیم خانخاناں مظفر شاہ والیٔ گجرات سے مقابلہ کے لئے مامور کیا گیا جس نے اس کو شکست دے کر گرفتار کیا اور آگرہ بھیج دیا لیکن

---

[1] اُردوئے معلّٰی، لسانیات نمبر، ص ۱۳۲

[2] ہندوستانی لسانیات، ڈاکٹر سید محی الدین قادری زورؔ۔ ص ۱۰۳۔

اثنائے راہ میں اس نے خودکشی کرلی۔ یہ واقعہ ۱۰۰۱ھ م ۱۵۹۳ء کا ہے۔[2]

اس سلسلہ میں مولوی اکبرالدین صدیقی نے "ارشاد نامہ" کے مقدمہ میں بڑی پتہ کی بات کہی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ:

"لفظ 'گجری' نے گجرات سے متعلق ہوکر غلط فہمی پیدا کردی۔ میراں جی نے تو اس کا نام بھی نہیں لیا لیکن جانم نے گجری کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس کا تعلق گجرات سے نہیں ہے۔ دکن کے اکثر قصبات میں خواہ حیدرآباد ریاست کے ہوں یا میسور ریاست کے شاہراہ پر کسی مخصوص جگہ روزانہ بھاجی ترکاری یا ضروریاتِ زندگی کی یا مستعملہ سامان کی عارضی دکانیں لگتی ہیں اور بازار کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے۔ چونکہ یہ دکانیں مستقل نہیں ہوتیں اس لئے ان کا کاروبار دو تین گھنٹے سے زیادہ نہیں ہوتا اور چونکہ یہ گذرگاہ پر ہوتی ہیں اس لئے اس کو "گذری" کہا جانے لگا اور کثرتِ استعمال سے "گجری" ہوگیا۔ چنانچہ آج بھی اکثر قصبات میں یہ بازار لگتے اور گجری ہی کہلاتے ہیں۔ یہاں کی زبان غیر فصیح اور غیر معیاری ہوتی ہے لیکن ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ گاہکوں اور سوداگروں کی زبان یکساں نہیں ہوتی، مطلب براری کے لئے دو تین زبانوں کے الفاظ ملا کر بات کی جاتی ہے۔ . . . اس کا گجرات سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اس کا تعلق "گذری" سے ہے۔"[1]

میراں جی شمس العشاق کے کلام کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ عربی، فارسی، ہندی اور سنسکرت کے الفاظ بے تکلفی سے استعمال کرتے ہیں

[1] ارشاد نامہ، مرتبہ مولوی اکبرالدین صدیقی۔ ص ۴۲۔ [2] تاریخ ہند، ہاشمی فرید آبادی

اور اس امر کا بھی پتہ چلتا ہے کہ ان کے کلام میں برج بھاشا اور اپبھرنش کا اثر بھی قدرے نمایاں ہے۔

ماہرین لسانیات کا خیال ہے کہ اپبھرنش کے دور سے گذرتے ہوئے ہند آریائی زبانوں میں یہ خصوصیت عام طور سے پیدا ہوگئی تھی کہ وہ سنسکرت تت سم الفاظ لینے کی بجائے تدبھو کی جانب مائل تھیں یعنی سنسکرت الفاظ کو بگاڑ کر اپنے دائرے میں لیتی تھیں۔ لیکن سنسکرت تہذیبی اور علمی حیثیت سے اسی دور میں اتنی اہمیت اختیار کرچکی تھی کہ اس کے اثرات سے بچنا محال تھا۔ آریائی زبانیں تو خیر اس سے خاندانی تعلق رکھتی ہیں دراوڑی زبانیں بھی اس کے جادو سے نہ بچ سکیں۔[1]

خبر نہیں کہ شمس العشاق سنسکرت یا کسی اور ہند آریائی زبان سے واقف تھے یا نہیں لیکن وہ سنسکرت تت سم الفاظ بڑی آزادی اور فراوانی سے استعمال کرتے ہیں۔ چند الفاظ مثال کے طور پر پیش کئے جاتے ہیں:

جیو، ادھیکار، درشٹ، پنچ بھوت، اندرین، سور، پران
موہن، گیان، انیت، نیت، بدھ وغیرہ۔

تت سم الفاظ کے علاوہ اردھ تت سم اور تدبھو الفاظ کی بھی بے شمار مثالیں ان کے کلام میں ملتی ہیں۔ مثلاً:

تن، چپ، پرگھٹ، مکھ، ٹھیں، آکھیں، ارنب، اُچار
بوج ہاری، انگ، بھوک، سنجوگ، پرجوست، گرو،
نیتا، یکس، سیوں وغیرہ۔

حضرت میراں جی شمس العشاق کے کلام کا بغائر مطالعہ کیا جائے تو پت

[1] "قطب مشتری کی چند لسانی خصوصیات" ذوق ادب و شعور۔ پروفیسر احتشام حسین

چلتا ہے کہ :

(۱) وہ لفظ کو تلفظ کی صوتی شکل میں تحریر کرتے تھے اور یہ عمل زیادہ تر عربی لفظوں کے ساتھ ہوتا تھا مثلاً طالے (طالع) ؎

دن رات اول اور نہ سوجے بن پر کے جالے
بی بیان کوں بھی کرجائے جیسے اپنے طالے

(۲) وہ شعری ضرورتوں کے لئے طویل حرفِ علت کو خفیف کر لیتے تھے، جیسے پِیر (بجائے پِر) ؎

اتارہ گھر شیطانی اور منزل بھی ناسوت
لوامہ خوشنود بلا پہ دیکھے ہیت بھوت

(۳) اس کے برعکس ان کے پاس یہ بھی ہوتا ہے کہ خفیف حروفِ علت طویل ہو جاتے ہیں جیسے سر سے سِیر ؎

لاہوتی بن آپ نلیکھے گیانوں میرا میر
لہی مقام قرب کا تب جی بوجھے اپنا سیر

(۴) جن لفظوں میں "ہ" کے بعد یائے معروف پہلے سے موجود ہے وہاں "ہ" گرا کے "ء" بڑھایا ہے۔ مثلاً نہیں کو "نئیں" لکھا ہے ؎

اس بوجھیں پہ نئیں بھی برتے تونئیں تو نئیں
شاہ کمال کے پالوں لاکوں اس پہ چو میں رہیں

(۵) جہاں جہاں الفاظ کا خاتمہ ھ (ہائے مخلوط) پر ہوا ہے، انھیں سہل اور زیادہ سادہ بنا دیا ہے۔ جیسے "لابھ" کو "لاب"۔

بیس نظم اور تین زیادت اس کا سب حساب
پرس پچھان کرے رہے تو ہر نغمہ کا لاب

(۶) "کی" بعض جگہ "کہ" (کافِ بیانیہ) کے طور پر استعمال ہوا ہے۔

مثلاً ؎

ہوا میانے جیتا روپ تیتا پھلا تن
دوجا تن سو پیر ہوا کی جس گھٹ برتے من

(۷) اُردو میں ایسے مصادر کی ماضی مطلق جن میں مصدر کی علامت سے قبل حرف علت نہیں ہوتا، اس طرح بنتی ہے کہ امر کے آگے "الف" بڑھا دیتے ہیں لیکن میراں جی ماضی مطلق بنانے کے لئے امر کے آگے حرف "الف" لگانے کی بجائے "یا" بڑھا دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر "دیکھا" کی بجائے "دیکھیا"، دھرا کی بجائے "دھریا"۔ شعر ملاحظہ ہو :

سنے سو کرے، کرے سو دیکھے، دیکھیا تو کچھ بھوگ
ست گر کرپا ہووے تو بھلا نئیں تو دونا روگ
مغز مرغوب دھریا جالو اس نسخہ کا نام
مرشد موکھوں سمجھے تو ہووے کشف تمام

(۸) میراں جی کے پاس صفات کی تذکیر و تانیث ہوئی ہے اور یہ صورت ان ہی صفات کے ساتھ پیش آئی ہے جن کے آخر میں "ا" یا "یا" آیا ہو۔ جیسے سنوارا، سنوارے، سنواریاں ؎

تینوں عروساں کاج سنواریاں چوتھے لگن لایا
جس کو انگے کارگو کا ان لیو پہ چو پایا

(۹) صفات عددی 'ایک'، 'دو'، 'تین' وغیرہ کے علاوہ ترتیبی صفات اوّل، دوم، سوم اور یکیں، دوجا، تیجا مستعمل ہیں۔ مثلاً :

شیطانی بے فرمانی بے بہرا ہو پھرے
بات یکیں کی آدت قید کن ناسوتی جھرے
ہوا میانے جیتا روپ تیتا پھلا تن
دوجا تن سو پیر ہوا کی جس گھٹ برتے من

تیجا تن غیب جس آکھیں چو تھا گیان سپورا
ست گر سیویں یہ بدھ پاویں بن گر فہم ادھورا

(۱۰) اُردو میں جمع بنانے کا معیاری قاعدہ مذکر اور مونث الفاظ کے لئے مختلف ہے لیکن اس کے برعکس میراں جی شمسُ العشاق کے منظوم رسالوں میں مذکر یا مونث دونوں قسم کے الفاظ کی جمع " ان " کے اضافہ سے بنائی گئی ہے ۔ جیسے عروس سے عروسان سے

تینوں عوساں کاج سنواریاں چوتھے لگن لایا
جن کو رنگے کارگرو کا ان لیو پرچو پایا

▲▲

کتابیات

۱ . * وصف حضرت شاہ میراں جی . از باباشاہ حسینی المعروف بہ پیر پاشاہ حسینی ابن امین الدین علی اعلیٰ . کتب خانہ درگاہ حضرت امین الدین اعلیٰ بیجاپور قلمی

۲ . منظوم شجرہ . بیاض . 〃 〃 〃 〃

۳ . شجرۂ اولیار . 〃 〃 〃 〃

۴ . مغز مرغوب . مخطوطہ نمبر ۴۱ 〃 〃 〃 〃

۵ . معرفت السلوک . محمود خوش دہان . کتب خانہ درگاہ حضرت ہاشم پیرؒ . بیجاپور قلمی .

۶ . شجرۂ منظوم منصف . 〃 〃 〃 〃

۷ . رسالۂ امین الدین اعلیٰ 〃 〃 〃 〃

۸ . رسالۂ وجودیہ . علی مولا صاحب 〃 〃 〃 〃

۹ . مخزن الانساب . کتب خانہ گیتی محل . بیجاپور . قلمی

۱۰ . مجمع الانساب 〃 〃 〃 〃

۱۱ . بیاض العملیات 〃 〃 〃 〃

۱۳ خود نوشت نسل نامہ . مخطوطہ . ادارۂ ادبیات اُردو حیدرآباد

۱۴ . مدح شاہ میراں جی . کریم . مخطوطہ نمبر ۶۵

۱۵ . ارشاد نامہ . برہان الدین جانم مخطوطہ نمبر ۱۲۴ ادارۂ ادبیات اُردو حیدرآباد

۱۶ . گفتار برہان 〃 〃 ۱۱۲۴ 〃 〃 〃 〃

۱۷ . مثنوی چارتن شاہ داول مخطوطہ نمبر ۱۱۱۳ 〃 〃 〃

۱۸ . سب رس 〃 نمبر ۱۲۴ کتب خانہ سالار جنگ حیدرآباد

۱۹ . بشارت الذکر 〃 〃 نمبر ۹ 〃 〃 〃 〃

۲۰ . خوش نامہ (خوش نغز) تصوف و اخلاق . مخطوطہ نمبر ۴۲ کتب خانہ سالار جنگ حیدرآباد

۲۱ . شرح مرغوب القلوب . مخطوطہ نمبر ۶/۲ تصوف . اسٹیٹ سنٹرل لائبریری ، حیدرآباد .

۲۲ . مشکوٰۃ النبوۃ . سید شاہ غلام علی موسوی . قلمی نمبر ۱۹۴ تذکرہ 〃 〃 〃

۲۳ . تذکرۃ القادری . منشی قادر خاں بیدری . قلمی جدید نمبر ۱۰۸۶ 〃 〃 〃

۲۴ . حدیقۂ رحمانی . عبدالرحمان استقاف قلمی . ملک فریدالدین حسینی . لنگر حوض حیدرآباد .

۲۵ . شجرۃ الاتقیار . معظم ، قلمی .

۲۶ . اُردو قلمی کتابوں کی وضاحتی فہرست . مرتبہ نصیرالدین ہاشمی .

۲۷ . وضاحتی فہرست . کتب خانہ آصفیہ . 〃 〃 〃

۲۸ . اُردو مخطوطات جلد اول دوم سوم چہارم پنجم . مرتبہ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور

۲۹ . خزینۃ الاصفیار . مفتی غلام سرور . مطبوعہ .

۳۰ . برکات الاولیار . مطبوعہ

۳۱ . روضۃ الاولیائے بیجاپور . ابراہیم زبیری . مطبوعہ .

۳۲ محبوب الزمن ، تذکرۂ اولیائے دکن . عبدالجبار خاں ملکاپوری . مطبوعہ .

۳۳ . تاریخ دکن . سلسلۂ آصفیہ . جلد ہشتم . مطبوعہ

۳۴ . تذکرۃ الانساب . مطبوعہ

۳۵ . بساتین السلاطین . مرزا ابراہیم زبیری . مطبع سیدی . حیدرآباد

۳۶ . واقعات مملکت بیجاپور . بشیرالدین احمد . آگرہ سنہ ۱۹۱۰ء

۳۷. اُردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام ۔ ڈاکٹر عبدالحق ۔ انجمن ترقی اُردو

۳۸. تاریخ خورشید جاہی ۔ غلام امام خاں ترین ۔ مطبوعہ ۔

۳۹. قدیم اُردو ۔ ڈاکٹر عبدالحق ۔ پاکستان انجمن ترقی اُردو ۔ اُردو روڈ کراچی ۔

۴۰. گلشنِ عشق ۔ نصرتی ۔ مرتبہ ڈاکٹر عبدالحق ۔ " " " " سنہ ۱۹۵۲ء

۴۱. نصرتی ۔ ڈاکٹر عبدالحق ۔ انجمن ترقی اُردو، ہند

۴۲. سب رس ۔ وجہی ۔ مرتبہ ڈاکٹر عبدالحق، انجمن ترقی اُردو، ہند ۔

۴۳. معراج العاشقین ۔ سید محمد حسینی خواجہ گیسو دراز بندہ نوازؒ
مرتبہ ڈاکٹر عبدالحق ۔ تاج پریس ۔ حیدرآباد ۔ سنہ ۱۳۴۳ھ

۴۴. دکن میں اُردو ۔ نصیر الدین ہاشمی ۔

۴۵. یوروپ میں دکنی مخطوطات ۔ نصیر الدین ہاشمی ۔

۴۶. اُردوئے قدیم ۔ حکیم شمس اللہ قادری، نولکشور سنہ ۱۹۵۲ء

۴۷. اُردو شہ پارے ۔ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور ۔ حیدرآباد ۔

۴۸. ہندوستانی لسانیات ۔ " " " "

۴۹. اُردو مثنوی کا ارتقاء ۔ پروفیسر عبدالقادر سروری

۵۰. قواعد اُردو ۔ ڈاکٹر عبدالحق ۔ انجمن ترقی اُردو ۔

۵۱. پنجاب میں اُردو ۔ حافظ محمود خاں شیرانی ۔ معین الادب لاہور

۵۲. تاریخ ادب اُردو ۔ مرتبہ ادارۂ ادبیات اُردو، حیدرآباد

۵۳. اُردوئے مصفّیٰ ۔ مرتبہ عبدالحق جوبلی کمپنی ۔

۵۴. علی گڑھ تاریخ ادب اُردو ۔

۵۵. داستان تاریخ اُردو ۔ حامد حسن قادری ۔ دوسرا ایڈیشن ۔ سنہ ۱۹۵۷ء

۵۶. ذوق ادب و شعور ۔ پروفیسر احتشام حسین ۔ لکھنؤ سنہ ۱۹۵۵ء
(قطب مشتری کی لسانی خصوصیات)

۵۷. کلمۃ الحقائق ۔ مرتبہ محمد اکبر الدین صدیقی

۵۸. " " " ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ ۔ مجلس تحقیقات اُردو ۔ حیدرآباد ۔

۵۹. اُردو نثر کا آغاز و ارتقاء " " "

۶۰. میراں جی ۔ خدا نما ۔ ڈاکٹر حفیظ قتیل

۶۱. رسالۂ اُردو ۔ اپریل سنہ ۱۹۲۷ء

۶۲. رسالۂ اُردو ۔ اکتوبر سنہ ۱۹۴۹ء

۶۳. نوائے ادب ۔ اکتوبر سنہ ۱۹۴۹ء ۔

۶۴. نوائے ادب ۔ جولائی سنہ ۱۹۵۸ء

۶۵. سب رس ۔ (دکانفرنس نمبر)

۶۶. مجلّہ عثمانیہ ۔ (دکنی نمبر)

۶۷. اورینٹل کالج میگزین ۔ فروری سنہ ۱۹۴۱ء

۶۸. مغز مرغوب و چہار شہادت ۔ من تصنیف میراں جی شمس العشاق ۔
مرتبہ محمد ہاشم علی

۶۹. شاہ صدر الدین کی حیات اور اُردو خدمات ۔ مقالہ برائے پی، ایچ ڈی
از محمد ہاشم علی ۔

۷۰. دکنی ادب کی ترقی میں امین الدین اعلیٰ اور ان کے خاندان کا حصّہ ۔
ڈاکٹر حسینی شاہد ۔ مقالہ برائے پی، ایچ ڈی ۔

۷۱. ریاست میسور میں اُردو مثنوی کا ارتقاء ۔ مقالہ برائے پی، ایچ ڈی ۔
از فہیمہ بیگم

۷۲. تاج الحقائق ۔ مصنفہ وجہی ۔ مرتبہ ڈاکٹر نورالسعید اختر ۔

۷۳. SIR. GA. GRIERSON : LINGUISTIC
SURVEY OF INDIA . VOL. 9 . PART. 1
CALCUTTA-1916.

۷۴. AN INDIAN EPHEMERIS. A.D. 700 TO 1799
BY : L.D. SWAMIKUNU PILLAI.